Attribution-NonCommercial 4.0 International (CC BY-NC 4.0)
DOI No. https://doi.org/10.57156/bazyaft43174541

لیلاوتی وچندراوتی کا قصہ (۱۸۶۸ء): تعارف، تجزیہ اور تدوین

سمیرا عمر
اسسٹنٹ پروفیسر (اردو)، گورنمنٹ شالیمار گریجویٹ کالج باغبانپورہ، لاہور

ABSTRACT:

During the 19th century in India, women were often restricted from pursuing education beyond basic literacy and domestic skills. The prevalent belief was that a woman's primary role was to take care of the household and raise children, and therefore higher education for women was seen as unnecessary. However, there were individuals and organizations who recognized the importance of educating women and advocated for their right to receive a formal education. One of the key figures in the promotion of women's education during this time was social reformer Raja Ram Mohan Roy, who believed that educating women was essential for the progress of society. Despite these efforts, the curriculum for women's education during the 19th century was primarily focused on practical skills such as sewing, cooking, and childcare, rather than providing a well-rounded education. However, there were attempts to introduce subjects like literature, science, and social studies into the curriculum for girls, albeit on a limited scale. The status of women's education in 19th century India was marked by significant challenges and limitations. While there were efforts to promote female education by notable individuals and organizations, the prevailing societal norms and restrictions hindered the progress of women's education during this time. It was not until much later that significant strides were made in improving women's access to education and expanding the scope of their studies. By chosing a qissa of ninteenth century my aim here is to introduce the efforts by local scribes in female education. The story genre was used to pursuade females in didactic works. The qissa at hand "Leela

wati o Chandrawati ka Qissa" was published from government press and in a short time its 2nd edition went out, which shows its populartiy.

Key words: Restrictions on women's education, persuasion to get education, efforts to promote education, curriculum.

تعلیم و تمدن کی آبیاری میں دنیا کی قدیم ترین تہذیبوں کی مانند ہندوستان کا بھی شاندار حصہ رہا ہے جس کا ثبوت نالندہ، ٹیکسلا اور والبی درس گاہوں کی موجودگی ہے جہاں روم و ایران اور چین و عرب کے باشندے تحصیل علم اور تہذیب و تمدن کی جانکاری کے لیے بطور سیاح یہاں کا رخ کرتے تھے۔ ہندوستان میں ویدانت یا فلسفہ کی تعلیم دی جاتی تھی۔

> "بھارت فلسفہ کا دیش تھا۔ رشی علوم روحانی کے محقق تھے۔ وہ مادی علوم کی تحقیقات کو علم روحانی کے مطیع رکھتے تھے۔ دھرم بھگتی و دیش بھگتی بھارت کی تاریخ میں ہم رکاب چلتی ہے۔"(1)

بشن داس واضح کرتا ہے کہ ہندوستاں کی تمام سماجی عمارت روحانی مدارج پر مبنی ہے اور روح کی پاکیزگی و آزادی ہی اس کے فلسفے کی معراج ہے۔ ذات پات ہو یا آشرم کا نظام سب کچھ روحانی آزادی کے ملکیتی مسئلے پر قائم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ "قدیمی ایام میں مشرق و مغرب کے رہنے والے یہاں کے روحانی علوم سے بہرہ ور ہوئے۔(2) حصولِ تعلیم کے لیے عموماً دھرم شالا اور پاٹھ شالا تعمیر کی جاتی تھیں جہاں گرو یا شکشک اپنے چیلوں اور شاگردوں کی تربیت پر مامور رہتے تھے۔ گزرتے وقت کے ساتھ ماسوائے برہمنوں کے دیگر تمام ذاتوں کے لوگ تحصیل کے استحقاق سے محروم ہوتے گئے اور برہمنوں میں بھی علم کی رغبت کم ہوتی چلی گئی "یوں علم کی دیوی سرستی مدت سے انھیں چھوڑ کر چلی گئی تھی۔(3)

اسلامی دور حکومت میں مسلم فرماں رواؤں نے بھی تعلیمی مراکز مدرسہ و مکتب کی صورت قائم کیے، اس کے ساتھ انھوں نے مذہبی آزادی کے اصول کو بھی قائم رکھنے کی حتی الامکان کوششیں کیں۔ "مسلمانوں نے اپنی طرف سے مندروں کے اخراجات اور بچاریوں کے وظائف کے واسطے بہت سی جاگیریں دے رکھی تھیں۔(4)

مسلمانوں کے تعلیمی مراکز کے ساتھ ساتھ خانقاہی نظام بھی موجود تھا، خانقاہیں عموماً صوفیاء کرام کے مزارات سے ملحق ہوتیں جہاں باطنی واردات، تصوف اور روحانیت کی تربیت دی جاتی تھی۔ پاٹھ شالا ہو یا مکتب، رسمی تعلیم کے ایسے مراکز محض مردوں کے لیے مخصوص تھے۔ تعلیم نسواں کے باب میں ہر دو اقوام کا رویہ بے حد

متعصبانہ تھا۔ مسلم اشراف گھرانوں میں کم سن بچیوں کے لیے پردے کی قید نہ ہونے کے باعث بنیادی تعلیم کا رجحان تھا۔ "وہ اپنی ابتدائی تعلیم عموماً چھوٹے بچوں کے ساتھ مکتبوں میں ہی حاصل کرتی تھیں۔ جہاں انھیں قرآن کریم، معمولی لکھنا پڑھنا اور حساب وغیرہ سکھایا جاتا تھا"۔(5)

بعض عورتیں اپنے گھر پر بھی مکتب کھول لیا کرتی تھیں جہاں محلہ کی لڑکیاں قرآن مجید پڑھنے کے ساتھ سینا پرونا اور دیگر خانہ داری کے امور بھی سیکھ لیا کرتی تھیں۔ ہندو گھرانوں میں بھی اسی قسم کا طریقہ کار تھا جہاں مانیٹوریل سسٹم رائج تھا۔ بڑی لڑکیاں کمسن بچیوں کی نگرانی و معاونت پر مامور ہوتی تھیں۔ یہ یاد رہے کہ تعلیم نسواں کا یہ تصور امراء، رؤسا یا ثروت مند گھرانوں ہی میں خال خال موجود تھا۔ اجلاف یا نچلے طبقے کی خواتین اس سہولت سے بھی محروم تھیں۔

سترھویں صدی کے اوائل سے ہی دیگر یورپی اقوام کی تجارتی ترقی کو دیکھ کر انگریزوں نے بھی ہندوستان کا رخ کیا۔ ان تجارتی کمپنیوں کے ساتھ مسیحی مبلغین کا بھی ورود ہوا۔ چنانچہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے ساتھ آئے مشنریوں نے عیسائیت کی تبلیغ و اشاعت کا سلسلہ شروع کیا۔ جلد ہی کمپنی نے بنگال میں سیاسی اثر ورسوخ حاصل کرکے اپنی اجارہ داری قائم کرلی اور مختصر سی مدت میں بنگال کی حاکم بن بیٹھی۔ ایسٹ انڈیا کمپنی سے اول اول بنگال اور پھر یک بعد دیگرے مفتوحہ صوبہ جات میں جدید طرز کے تعلیمی عمل کا آغاز ہوا۔ قریبا ایک صدی تک بنگال میں بھی انگریزوں کی جانب سے انگریزی تعلیم کے ضمن میں خاطر خواہ کوشش نظر نہیں آتیں" مگر جب 1714ء میں سپریم کورٹ قائم ہوئی تو ایک نئی پرزور تحریک اس کو ملی اور متوسط جماعت لوگوں میں انگریزی زبان کا چرچا ہوا (6)۔"

مشنری مسیحی کاوشوں اور تعلیم کے زیر اثر نو مذہبوں کی تعداد میں خاطر خواہ اضافہ ہوا تو مشن سکول کھولنے کی ضرورت پیش آئی۔ کمپنی کے افسران مسیحیوں کی تبدیلِ مذہب کی پالیسی سے خوش نہیں تھے کیونکہ اس سے بغاوت کا خدشہ لاحق تھا۔ اسی بات پر کمپنی کے افسران بالا اور مسیحی برادری میں کھینچا تانی شروع ہوئی۔ اس کشمکش نے اس قدر طول کھینچا کہ قضیہ انگلستان کی پارلیمنٹ میں جا پہنچا۔ پارلیمنٹ میں ہندوستانیوں کی تعلیم کے لیے ایکٹ 1813ء میں سفارشات پیش کی گئیں جس کے تحت مفتوح علاقوں میں ہندوستانی تعلیمی منصوبے کو کمپنی کے ساتھ مشروط کر دیا گیا۔ اس پر مستزاد یہ کہ تعلیمی کاوشوں کی مد میں ہونے والے اخراجات کو بھی کمپنی کے کھاتے میں ڈال دیا گیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب انگلستان میں بھی رعایا کی تعلیم ریاست کی ذمّہ داری نہیں تھی۔ کمپنی کو

ہندوستانیوں کی تعلیم کا بار نہ چاہتے ہوئے بھی اٹھانا پڑا۔ وسیع پیمانے پر تعلیمی سرگرمیوں اور کاوشوں کو شروع کرنے میں مندرجہ ذیل چار الگ الگ سطحوں پر کام کیا گیا۔

الف: حکومتی سطح پر کمپنی کی کاوشیں

ب: مشنری تعلیمی ادارے

ج: نجی تعلیمی ادارے (سرکاری و غیر سرکاری اہلکاروں کی جانب سے)

د: نجی ہندوستانی ادارے

ایسٹ انڈیا کمپنی نے جب تعلیمی ذمّہ داری اٹھائی تو کے پاس نہ تو محکمہ تعلیم نامی ادارے کا وجود تھا نہ ہی ماہر تعلیم۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کے روایتی تعلیمی مراکز ماڈل کے طور موجود تھے سو گورنر جنرل، تعلیمی بورڈ کے ممبران کونسل اور کمیٹی کے اراکین وغیرہ سبھی نے مل کر اس بوجھ کو اٹھانے کے لیے اقدامات شروع کیے۔ مگر انھی میں چند ایسے درد مند لوگ بھی موجود تھے جو تہِ دل سے ہندوستان میں جدید تعلیم کے خواہشمند تھے۔ اسی لیے یہ لوگ تعلیمی سرگرمیوں میں دامے درمے قدمے سخنے پیش پیش رہے۔ یورپی مشنری طویل عرصے سے ہندوستانی عوام کو پڑھنے لکھنے کی جانب راغب کر رہے تھے 1813ء کے ایکٹ کی رو سے انھیں ایسٹ انڈیا کمپنی کا لائسنس مل گیا۔

> "The charter Renewal Act 1813 permitted British missionaries to enter and work in India under licenses issued by the company"(7)

مشنریوں کے پیشِ نظر نچلے اور متوسط طبقے کے لوگ تھے جنھیں با آسانی تبدیلئ مذہب کی جانب گامزن کیا جا سکتا تھا۔ کمپنی کے زیر سرپرستی آنے کے بعد انھوں نے نہ صرف اپنی تعلیمی سرگرمیوں میں اضافہ کیا بلکہ مختلف سوسائٹیوں کی داغ بیل بھی ڈال دی۔ جنرل بیپٹسٹ سوسائٹی، لندن مشنری سوسائٹی، چرچ مشنری سوسائٹی، سکاٹش مشنری سوسائٹی اور ویزلین مشن قائم کیے۔ ان مشنز نے جابجا سکول کھولنے شروع کر دیے۔ ان سکولوں میں مقامی ہندوستانیوں کی ترقی سے زیادہ تبدیلی مذہب پر زور صرف کیا جاتا، ذریعہ تعلیم مقامی زبانوں کو بنایا اور دیسی زبانوں میں انجیل مقدس کے تراجم کیے۔ اس کے ساتھ ساتھ کتابچے، رسائل، لغات و قواعد اور کتب مرتب کیں۔ ان مشنری سکولوں میں بائبل کے متون کو پڑھنا لازم قرار دیا گیا۔

ہندوستانی خواتین کے لیے تعلیم کی راہ ہموار کرنے کا سہرا در حقیقت انھیں مشنریوں کے سر جاتا ہے۔ کمپنی کے اہل کار اچھی طرح جانتے تھے کہ ہندوستانیوں میں خواتین کی تعلیم کے خلاف تعصبات کی جڑیں بے حد

گہری اور شدید ہیں۔ بہت سے ایسے تو اہم ہندو و مسلم دونوں اقوام میں تعلیم نسواں کے باب میں موجود تھے، جن پر بات چیت کرنے سے دونوں اقوام کے جذبات بھڑک اٹھیں گے۔ لہذا اس نازک معاملہ میں ہاتھ ڈالنے سے کمپنی کے اہل کار بھی کتراتے رہے۔ اس ہدف کو پورا کرنے کا بیڑہ مشنریوں نے اٹھایا۔ انھوں نے مسیحی خواتین کی خدمات حاصل کیں اور ہندوستانی خواتین کی تعلیم کے لیے درج ذیل طریقہ ہائے کار کو اپنایا گیا۔

1۔ خواتین کے لیے علیحدہ سکول قائم کیے گئے۔

2۔ بے سہارا اور یتیموں کے لیے یتیم خانے اور پناہ گاہیں قائم کی گئیں۔

3۔ زنانہ مجالس کا اہتمام کیا گیا۔

مشنری خواتین نے گھر گھر جا کر متوسط اور اعلیٰ طبقات کی پردہ دار خواتین سے ربط بڑھایا اور انھیں پڑھانے کے ساتھ مختلف ہنر سکھانے کا بندوبست کرنے لگیں۔ مشنری اداروں کی روز افزوں ترقی دیکھ کر کمپنی کو بھی یک گونہ اطمینان حاصل ہوا اور دونوں ایک دوسرے کی تعریف میں رطب اللسان نظر آنے لگے:

> "The mutual appreciation of the Christians Missionaries and the colonial rulers was a usual phenomenon during this period."(8)

ہندوستانیوں کی تعلیمی استعداد میں اضافہ کرنے میں مشنری ہی پیش پیش نہ تھے بلکہ چند ایسے درد مند اور بھلائی کے جذبے سے سرشار اصحاب بھی موجود تھے جن کا تعلق نہ تو مشنری اداروں سے تھا، نہ ہی وہ حکومتی اہل کار تھے۔ ڈیوڈ ہیر (David Hare) نامی گھڑی ساز وہ پہلا شخص تھا جو سماجی بہبود کے لیے سرگرم ہوا۔ اس نے سب سے پہلے یہ محسوس کیا کہ ہندوستانیوں کی جدید سائنسی تعلیم کے لیے انگریزی زبان، سنسکرت سے زیادہ موثر ثابت ہو گی۔ ڈیوڈ نے انگریزی زبان و ادب کی تعلیم کے لیے Hindo Vidyalaya قائم کیا۔ یہ واحد ادارہ تھا جس کی کمیٹی میں یورپین اور ہندوستانی دونوں شریک تھے علاوہ ازیں یہاں مذہبی تعصبات سے بالاتر ہو کر سیکولر بنیادوں پر انگریزی تعلیم دی جاتی تھی۔

John Elite Drinkwater Bethune نے بھی مفاد اور مذہبی تعصبات کو پس پشت ڈال کر ہندوستانیوں کی تعلیمی ترقی میں حصہ لیا۔ بیتھون نے بروقت اس دقت کو محسوس کر لیا کہ بااثر اور معزز ہندو کبھی اپنی بچیوں کو مشنری اداروں میں بھیجنے پر رضامند نہ ہوں گے۔ لہذا اس نے مئی 1849ء میں کلکتہ میں لڑکیوں کے لیے

پہلا سکول کھولا۔ اس سکول میں بڑی تعداد میں ہندو لڑکیوں نے داخلہ لیا اس ادارے کی کامیابی تعلیم نسواں کے خواہاں افراد اور اداروں کے لیے مثالی ٹھہری۔

جنوبی ہندوستان کو جدید تعلیم سے آراستہ کرنے کے لیے نت نئے تجربات کرنے والا شخص Mountsturat Elphinstone تھا جو بمبئی کا گورنر بھی رہا۔ اس نے مشنری سوسائٹیوں کے بالمقابل بمبئی ایجوکیشن سوسائٹی قائم کی جس میں یوریشین اور ہندوستانی بچوں کو تعلیم دی جاتی تھی۔ وہ تعلیم عامہ کے نظریے کا حامی تھا۔ اس نے بمبئی ایجوکیشن بک سوسائٹی کے زیر اہتمام ایسا تعلیمی نظام بنایا کہ اس سوسائٹی کے فارغ التحصیل طلباء تعلیمی عمل میں دوسروں کا سہارا بن سکیں۔

ہندوستانی نجی تعلیمی اداروں میں سب منفرد اور نمایاں نام راجارام موہن رائے کا ہے جو کٹر ہندو گھرانے سے تعلق رکھتے تھے مگر ان کی ہندومت اسلام اور عیسائیت تینوں مذاہب پر گہری نظر تھی۔ راجارام موہن رائے کا زمانہ وہی زمانہ تھا کہ جب بہ قول ناصر عباس نیر:

> "آبادکار اپنے سیاسی وانتظامی معاملات میں مقامی باشندے کو قابل ذکر اہمیت نہیں دیتے تھے وہ اپنے اعلیٰ انتظامی اداروں میں شمولیت یا ملازمت کی ایسی کڑی شرائط عائد کرتے ہیں۔ جن پر مقامی باشندے پورے اتر ہی نہیں سکتے وہ سرکاری ملازمت کے لیے اس وقت انگریزی کی شرائط لاگو کرتے ہیں جب کہ انگریزی کی تعلیم کے ادارے موجود نہیں ہوتے یا بعض وجوہ سے انگریزی سے منافرت موجود ہوتی ہے"۔(9)

رام موہن رائے رنگ پور میں ریونیو ڈیپارٹمنٹ میں مسٹر ڈگبی سے ملے تو انگریزی زبان اور یورپ کی سیاسی تغیرات سے ان کی دلچسپی قائم ہوئی جلد ہی وہ ملازمت سے مستعفی ہو کر کلکتہ میں آباد ہوئے اور بطور مصلح قوم اپنی پہچان بنائی۔ انھوں نے ویدوں کا بنگالی ترجمہ کیا، مختلف کتابچے اور سالے تحریر کیے۔ 1815ء میں ایک انجمن / آتمیہ سبھا قائم کی جس کے ذریعے سے انھوں نے "کلنزم، لڑکیوں کی فروخت اور ذات پات کے خلاف احتجاج کیا، شوہر اور باپ کی جائیداد میں ہندو عورت کے حق کو تسلیم کرائے جانے کے لیے انہوں نے لگاتار کام کیا۔"(10)

عورتوں کو ستی کیے جانے خلاف انھوں نے لاڈر بینٹک کے تعاون سے ایک قانون منظور کروایا۔ وہ تعلیم نسواں کی وکالت قدیمی متون، شاستروں کے استناد اور مشہور تاریخی شخصیات کی مثالیں دے کر کرتے تھے۔ برہمو سماج کے ذریعے ہندوؤں میں تعلیم نسواں کی راہ میں حائل تعصبات اور دقیانوسی تصورات کا خاتمہ کرنے میں انھوں

اہم کردار ادا کیا۔ مشنری ادرے جو کاوشیں تعلیم نسواں کے ضمن میں کر رہے تھے، راجہ رام موہن رائے نے اس کو مہمیز دی۔ انھوں نے 1813ء کے ایکٹ کی رو سے تعلیمی مد کی منظور شدہ ایک عشرے سے منجمد تعلیمی گرانٹ کو جدید علوم مفیدہ کی مد میں خرچ کرنے کی تجاویز پیش کیں اور ذریعہ تعلیم زبانِ سنسکرت کی بجائے جدید ہندوستانی اور انگریزی زبان بنانے پر زور دیا۔ ان کی بے لوث کاوشوں کی بدولت معزز ہندو گھرانے اپنی لڑکیوں کی تعلیم پر آمادہ ہو گئے۔

1813ء میں کمپنی کے ایکٹ کی تجدید کے موقع پر تعلیمی گرانٹ ایک لاکھ سالانہ سے بڑھا کر دس لاکھ سالانہ کر دی گئی مگر تعلیمی سرگرمیوں کے حوالے سے کوئی ہدایت نہیں دی گئی۔ 1853ء میں ایک بار پھر کمپنی کی تجدیدِ نو کے لیے درخواست پیش کی گئی تو چارلس وڈ نے مکمل اور جامع تعلیمی اصلاحات پیش کیں جسے پارلیمنٹ نے منظور کر لیا۔ تاریخ ہند میں یہ مراسلہ وڈز کا مراسلہ یا The Despatch of 1854 کے نام سے موسوم ہوا۔ اس مراسلے میں کمپنی کے مقاصد تعلیم اور ذریعہ تعلیم کے ساتھ وُڈ نے ایک نئی سکیم بھی پیش کی۔ کمپنی کے ماتحت صوبہ جات بنگال، مدراس، بمبئی، شمال مغربی صوبہ اور پنجاب، ہر صوبے میں ایک محکمہ تعلیم قائم کیا جائے گا جس کا افسر اعلیٰ ڈائریکٹر تعلیمات عامہ کہلائے گا۔ ڈی پی آئی کے ماتحت انسپکٹر ہوں گے جو اپنے اپنے علاقوں میں تعلیمی سرگرمیوں کا جائزہ لیں گے اور اپنے صوبے کی سالانہ تعلیمی رپورٹ مرتب کریں گے۔ پھر ہر صوبے کا ڈی پی آئی، حکومت کو اپنی رپورٹ پیش کرنے کا پابند ہو گا۔ اسی مراسلے میں تعلیمی مدارج وضع کیے گئے۔ پرائمری، ایلیمنٹری، ثانوی و اعلیٰ ثانوی اور گریجویشن کی سطح پر تعلیمی اداروں کی تقسیم کی گئی۔ یونیورسٹیوں کے قیام اور بالخصوص ہندوستانی خواتین اور مسلمانوں کی تعلیم کا ذکر کیا گیا۔ یہ مراسلہ ہندوستان کی تاریخ تعلیم میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے اس کے تحت 1855ء میں Director of Public Instruction کا ادارہ قائم ہوا۔ 1857 میں یونیورسٹی کی سطح پر تعلیمی اداروں کی تشکیل ہوئی۔ دیگر سفارشات پر اس لیے عمل درآمد نہ ہو سکا کہ "1857 میں کمپنی کی سیاسی قوت کو موقوف کر دیا گیا اور یہ تاج برطانیہ کے زیر نگیں آ گئی"۔(11)

کمپنی کی تعلیمی پالیسی، وُڈ کے ڈسپیچ پر اختتام پذیر ہوئی مگر مشنریوں کی کاوشیں جاری رہیں وہ اب نہ صرف ایجوکیشن ڈیپارٹمنٹ سے وظائف حاصل کرتے بلکہ مخیر حضرات سے بھی مالی امداد لیتے تھے:

> "Apart from their dependency upon state Education Departments, Mission schools received patronage from religious, landed and royal Indian elites...... Mission schools were

supported by those who understood their moral, social and humanistic utility."(12)

دورِ وکٹوریا میں بھی وڈز ڈسپیچ کی سفارشات کو زیرِ غور رکھا گیا۔ بطورِ خاص خواتین کی تعلیم کے ضمن میں کاوشیں جاری رکھی گئیں اور لڑکیوں کے تعلیمی نصاب کے لیے مقامی اور دیسی زبانوں میں سادہ نثر لکھنے کی جانب توجہ دلائی گئی۔ اس کے لیے وہی پرانا طریقہ کار اپنایا گیا جو فورٹ ولیم کالج میں فروغِ تعلیم کے لیے برتا گیا تھا۔ عام اور بے پڑھے لوگوں میں تعلیمی دلچسپی پیدا کرنے کے لیے اور "نووارد انگریزوں کو اردو کا لب ولہجہ اور تلفظ سمجھانے کے لیے قصہ خواں مقرر کیے گئے جو دلچسپ قصے سنا کر اردو بولنے اور پڑھنے کے لیے رغبت دلاتے تھے۔ ہندوستانی مصنفین کو ان کی بہترین تصانیف پر کالج کونسل سے سفارش کر کے انعام دلایا۔ ایسے مصنفین کو بھی انعام دلایا جو کالج سے وابستہ نہیں تھے کتابوں کی طباعت کے لیے امداد دیے جانے کی راہ نکالی۔ کتابوں کے فروخت کرنے کا پروگرام بنایا۔(13)

وکٹوریا دور میں بھی یہی طریقہ کار اپنایا گیا مگر اس فرق کے ساتھ کہ یہاں انگریزوں کی بجائے ہندستانی خواتین اور قصہ خواں کی جگہ قصہ نویس اور ناول نگاروں نے لے لی۔ مصنفین کے لیے انعامی سکیم کا اعلان بھی کیا گیا اور جدید ہندوستانی زبان اور سادہ نثر لکھنے کی جانب بھی توجہ دلائی۔ اس مقصد کے لیے الہ آباد گورنمنٹ گزٹ میں تصنیف وتالیف کی حوصلہ افزائی کے لیے اعلان جاری کیا گیا۔

ہر انعام عموماً ایک ہزار روپے کا ہو گا، لیکن یہ رقم کتاب کی خوبیوں کو مدنظر رکھ کر کم یا زیادہ بھی کی جا سکتی ہے۔ لیفٹیننٹ گورنر ہر سال اس طرح کے کم از کم پانچ انعام دے سکتے ہیں۔ ہندوستانی خواتین کے لیے مناسب کتابیں خاص طور پر قبولیت اور انعام کے لائق سمجھیں جائیں گی۔(14)

ڈپٹی نذیر احمد کا قصہ "مراۃ العروس" اس سلسلے کی پہلی کڑی سمجھا جاتا ہے۔ ہمارے زیر مطالعہ قصہ "لیلاوتی وچندراوتی کا قصہ" بھی اسی مراسلے کی اشتہاری مہم کے نتیجے میں سامنے آیا۔ یہ قصہ بھی لیفٹیننٹ گورنر ولیم میور کے حکم پر تحریر کیا گیا۔ قصے کے سرورق پر جو عبارت درج ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قصے کی تصحیح ومنظوری ڈائریکٹر پبلک انسٹرکشن جناب مسٹر کیمپسن بہادر نے دی۔ مراد آباد کے ساکن گنگادھر، ضلع فرخ آباد کے سب ڈپٹی انسپکٹر مدارس مقرر ہوئے تو انھوں نے گورنمنٹ کے اشتہار نمبر 791 مورخہ 20 اگست 1868ء کے حسب منشا یہ قصہ تحریر کیا۔ قصے کا اصل مقصد ایک ایسی کتاب تیار کرنا تھا جو الہ آباد میں موجود خواتین کے اسکولوں میں بطور نصاب پڑھائی جائے۔ یہ قصہ تحریر کرنے پر مصنف کو پچاس روپیہ انعام سے بھی نوازا گیا۔ تعلیم نسواں کو مہمیز

دینے کے لیے الٰہ آباد حکومت نے اشتہارات کے ذریعے جو مراسلہ جاری کیا، اس کے تحت قصے کے پیرائے میں خواتین کو تعلیم حاصل کرنے کی جانب راغب کیا جانا مقصود تھا تا کہ ہندوستانی خواتین کو زیور تعلیم سے آراستہ کر کے معاشرے کا فعال رکن بنایا جائے۔

قصہ بعنوان "لیلاوتی و چندراوتی کا قصہ" کا حصہ اول اور طبع دوم ہے جس کی ایک ہزار (1000) جلدیں گورنمنٹ پریس، الٰہ آباد سے شائع ہوئیں۔ قصے کے دیباچے میں مصنف نے مروجہ رسم کے مطابق خدا کی تعریف کے بعد حاکمِ وقت، ملکہ وکٹوریا کی خوش نظمی کی تعریف کی ہے۔ مصنف کے نزدیک ملکہ کے دور حکومت میں درج ذیل امتیازات پائے جاتے ہیں: اول: ہر طرف امن وسکون کے ساتھ خوف و خطر سے محفوظ و مامون معاشرہ نظر آتا ہے۔ دوم: قانون کی بالادستی قائم ہے۔ سوم: ہر کس و ناکس جدید ایجادات مثلاً تار برقی اور ریل گاڑی کی سہولیات سے لطف اندوز ہو رہا ہے۔ چہارم: ان سب پہ مستزاد ہے کہ علم کی روشنی تیزی سے چہار جانب پھیل رہی ہے اور طبقاتی فرق سے بالاتر ہو کر ہر کوئی تحصیل علم کے لیے کوشاں ہے۔

اس کے بعد مصنف اپنے مربی سر ولیم میور اور مسٹر کیمپسن کی علمی کاوشوں کو خراج تحسین پیش کرتا ہے، جن کی دل جمعی اور سچی لگن کی بدولت جلد ہی جہالت کا نام ہندوستان سے مٹ جائے گا۔ اور مردوں کے شانہ بشانہ خواتین بھی تحصیلِ علم کو اپنا فخر جانیں گی۔ آخر میں مصنف گنگادھر اپنے علم پرور مربیوں کی درازیِ حکومت کی دعا کرتا ہے۔

قصے کے بارے میں مصنف کا بیان ہے کہ سادہ اردو زبان میں تحریر کیا اور ایسا روزمرہ و محاورہ برتا ہے جو مبتدی خواتین کو بآسانی سمجھ آجائے گا، جب کہ پڑھے لکھے گھرانوں کی خواتین بہ خوبی پڑھ لیں گی۔ قصے کے مرکزی کردار ہندو ہیں اس لیے مصنف نے جان بوجھ کر عربی و فارسی الفاظ کے بجائے ایسے نسوانی محاورے کو برتا ہے جسے عوام و خواص سب ہی بہ خوبی سمجھ سکتے ہوں اور ان رسوم و رواج کی جھلکیاں پیش کی ہیں جو ہندوستانی عورت کی روزمرہ زندگی میں شامل ہیں۔ سب سے آخر میں یہ بھی وضاحت کی ہے کہ قصے کو جان بوجھ کر مختصر رکھا گیا ہے اور مختلف حصوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے تا کہ کتاب کا حجم پڑھنے والیوں کی طبیعت پر گراں نہ گزرے۔

لیلاوتی و چندراوتی کا قصہ دو سہیلیوں کی کہانی ہے۔ جو ہم مذہب، ہم عمر، ہم مزاج اور ہم سایہ ہیں۔ دونوں خوش حال گھرانے سے تعلق رکھتی ہیں۔ لیلاوتی نے اپنے والد سے ناگری اور اردو لکھنا پڑھنا سیکھ لی جس کی وجہ سے وہ اپنا بیشتر وقت لکھنے پڑھنے کی مشق کرنے اور عمدہ کہانیاں یاد کرنے میں صرف کرتی ہے۔ لیلاوتی کی والدہ

پڑھی لکھی تو نہیں مگر کشیدہ کاری کا ہنر جانتی ہے اسی وجہ سے محلے داروں میں سے چندراوتی کا لیلاوتی کے گھر آنا جانا شروع ہوا کہ وہ بھی کشیدہ کاری میں طاق ہو۔ ہم عمر ہونے کی وجہ سے دونوں میں پہلے دوستی اور پھر بہناپا قائم ہو گیا۔ لیلاوتی عمدہ کہانیوں سے اس کا جی بہلاتی، جس کا مثبت اثر چندراوتی کے اخلاق پر بھی ہوتا ہے۔ یہاں مصنف نے معزز ہندو گھرانوں میں صدیوں سے موجود سادہ اور روایتی طرز تعلیم کی تصویر پیش کی ہے۔

لیلاوتی کی شادی ایک اچھے گھرانے میں طے پائی تو دونوں پر جدائی کے لمحے بہت شاق گزرنے لگے۔ آخر لیلاوتی نے تہیہ کیا کہ وہ اپنی سہیلی کا رشتہ اپنے سسرالی محلے میں تلاش کرے گی۔ شادی کے بعد لیلاوتی اپنی سسرال میں ہر آنے جانے والی سے کسی اچھے رشتے کی بابت دریافت کرتی اور خاموشی سے اسی ٹوہ میں لگی رہتی، یہاں تک کہ ساس کو بہو کی حرکات پر شبہ گزرا تو لیلاوتی نے ساس کو جزو کل حال سنایا اور مدد کی طالب ہوئی اپنی ساس کے مشورے اور معرفت سے اس نے محلے میں چندراوتی کا پیغام بھیجا جو فوراً منظور ہوا یوں چندراوتی بھی اسی محلے میں آن بسی۔

گھر داری کی مصروفیات نپٹانے کے بعد دونوں مل بیٹھتیں اور باتیں کرتیں۔ لیلاوتی کو اپنے میکے کا سب احوال معلوم ہوتا جس پر چندراوتی حیران رہ جاتی۔ لیلاوتی نے سمجھایا وہ چٹھی لکھ کر اپنے بھائی سے خیر خیریت دریافت کر لیتی ہے۔ اب چندراوتی کو تاسف نے گھیرا کہ وہ کیوں کر لکھنے پڑھنے سے محروم رہی۔ لیلاوتی کے سمجھانے پر چندراوتی نے بھی تحصیلِ علم کا عزم کیا اور روز مرہ کی بنیاد پر مشق جاری رکھی۔ آہستہ آہستہ اسے ناگری لکھنے پڑھنے کا ہنر آ گیا۔ چندراوتی کا سسرالی کنبہ بہت بڑا تھا۔ دیورانیوں اور جیٹھانیوں کی آپسی نوک جھوک چلتی رہتی، مگر چندراوتی اس میں دخل نہ دیتی تھی۔ وہ سارا دن جاری رہنے والے جھگڑے فساد پر دق ضرور ہوتی اور اکثر لیلاوتی سے شکایت بھی کرتی۔ لیلاوتی صاف کہتی کہ سارا فساد ان پڑھ ہونے کے باعث ہے، جب تک گھریلو خواتین اچھی اچھی کہانیاں اور اخلاق آموز قصے نہیں پڑھیں گی، لڑائی جھگڑے میں کمی نہ آئے گی، لہٰذا اس نے چندراوتی کو یہ ذمہ داری سونپی کہ وہ ان کے اخلاق کی درستی بہ ذریعہ نصیحت آموز قصوں سے کیا کرے۔ چندراوتی نے سسرال میں اس نصیحت پر عمل کیا۔ کئی دن گزرنے پر بھی شکایت بدستور قائم رہی ماسوائے سسرال کی ایک کیسٹر نامی بچی کے کسی پر بھی اثر نہ ہوا۔ لیلاوتی نے ایک لڑکی کی درستی کو بھی بہت جانا کیوں کہ اس کے خیال میں ایک کے لکھنے پڑھنے سے دوسری کو تحصیلِ علم کا شوق ہو گا۔

لیلاوتی اپنے خاوند سے اس بابت مشورہ کرتی ہے تو اس کا خاوند ملکہ وکٹوریا کی عمل داری کے ساتھ ساتھ تعلیمی نظام کی کیفیت کا حال بھی سناتا ہے یہاں مصنف وڈ ڈسپیچ کے منظور شدہ تعلیمی اسکیم کا مختصر ساخاکہ پیش کرتا

ہے اور بتاتا ہے کہ پہلے پہل ہندوستانی مرد بھی تعلیم حاصل کرنے میں تذبذب کا شکار تھے۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے گاؤں ، گاؤں میں تحصیل علم کا چرچا ہونے لگا۔ چندراوتی اگر اپنے سسرالیوں کو سمجھاتی رہے گی تو جلد ان پر بھی اثر ہو گا اور ان کی حالت پہلے کی نسبت بہتر ہو جائے گی۔ شوہر کا بیان تھا کہ ملکہ وکٹوریا نے ہندوستان میں مردوں کی طرز پر خواتین کے لیے بھی تعلیمی ادارے کھولے ہیں مگر ان کی حالت ابتر ہے۔ پہلے پہل مرد بھی بہ مشکل مدرسوں میں داخل ہوئے پھر علم کا شوق اس قدر بڑھا کہ ان مدرسوں میں جگہ ملنا دشوار ہو گئی۔ اب لڑکیوں کے لیے بھی مسلسل فہمائش کی ضرورت ہے۔ لیلاوتی، چندراوتی کو اپنے شوہر کی زبانی نتھو سنگھ اور اس کی بیوی مینا کا قصہ سناتی ہے جن کی اکلوتی اولاد رندھیر سنگھ تحصیل علم کے برعکس کبوتر اور بٹیر بازی کو فوقیت دیتا ہے اور یوں جاہل مطلق رہ جاتا ہے۔ پھر رندھیر سنگھ جو کثیر الاولاد تھا اپنے لڑکوں کی تعلیم پر مناسب توجہ نہیں دیتا، وہ سب جوان ہو کر کاروبار زندگی میں مصروف ہو جاتے ہیں، شادیوں کے بعد گھر میں ان پڑھ بہوؤں کے آنے سے روز کی دانتا کِل کِل رہتی ہے اور ان کا مثالی اتفاق چُور چُور ہو جاتا ہے۔ اور یہ گھرانہ علاقے بھر کے لیے تماشا بن جاتا ہے۔

اس مختصر قصے میں چند باتیں غور طلب ہیں۔ اول یہ کہ قصہ خواتین کی فہمائشِ علم کی خاطر لکھا گیا ہے۔ اسی لیے کم سن لڑکیوں کو مرکزی کردار کے طور پر دکھایا گیا ہے جو پوری طرح سنِ شعور کو نہیں پہنچیں۔ اس کے برعکس بڑی عمر کی خواتین میں لیلاوتی کی ماں، اس کی ساس اور ضمنی قصے کا کردار مینا ہیں۔ یہ تینوں خواتین رسمی تعلیم سے نابلد ہیں لیکن ہندوستانی تہذیب و شائستگی سے آشنا ہیں، مندرجہ بالا تینوں خواتین گھر داری میں طاق، مروجہ رسوم و رواج کی پاس دار، سماجی تجربات سے واقف، امدادِ باہمی کے اصول پر عمل پیرا ہونے کے ساتھ مثبت اندازِ زندگی اپنانے والیوں کے طور پر پیش کی گئی ہیں۔

دوسرا اہم نکتہ یہ ہے کہ ہندوستانی خواتین کو نئے سرکاری نظام تعلیم سے روشناس کرانا مقصود تھا اس سے قبل خواتین کے لیے گھریلو مکتب کا مقامی طریقہ تدریس موجود تھا لیکن انگریز حکومت نے گاؤں، شہر، تحصیل، ضلع اور پرگنہ کی سطح پر سرکاری تعلیمی ادارے قائم کر کے نیا تعلیمی نظام وضع کیا۔ ان اداروں میں مدرسین و عہدے دار بھی درجہ بہ درجہ مقرر کیے گئے۔ جو نظامِ تعلیم مردوں کے لیے تھا ٹھیک اسی وضع پر تعلیم نسواں کے لیے بھی علیحدہ ادارے قائم کیے گئے ان تمام کوششوں کے باوجود ادارے اور اراکینِ ادارہ موجود مگر طالبات ندارد تھیں۔

خواتین کو تعلیم کی جانب راغب کرنے کے لیے اشتہارات کی مہم شروع کی گئی اور ایسے قصے کہانیاں لکھنے والوں میں انعامات تقسیم کیے گئے جن کے قصے پڑھنے سے خواتین کو تحصیلِ علم کی ترغیب ملے۔ زیر نظر قصے میں

بھی ایک ضمنی قصہ نتھو سنگھ اور اس کی گھر والی بینا کا ملتا ہے جس میں نتھو سنگھ کے صاحب اولاد ہونے کی خوشی میں ضیافت کا احوال بیان کیا گیا ہے۔ اس ضیافت میں آنے والی ان پڑھ مہمان خواتین کو حاسد، جھگڑالو، فسادی، اخلاق باختہ، غرض مختلف قسم کے سماجی عیوب میں مبتلا دکھایا گیا ہے جب کہ پڑھی لکھی خواتین کی مجلس کو ہندوستانی مردوں کی مجلس سے تشبیہ دی گئی ہے وہ آداب مجلس سے واقف، خوش اخلاق اور مہذب ہیں۔ مصنف ہندوستانی خواتین کے سامنے دو ماڈل رکھتا ہے۔ پہلا ماڈل ہندوستانی تعلیم یافتہ مردوں کا ہے جب کہ دوسرا انگریز میموں کا ہے۔ اہم بات یہ ہے کہ خواتین سے ہندوستانی مردوں کی مانند تعلیم یافتہ ہونے کا تقاضا کیا جا رہا ہے انگریز میموں جیسا نہیں۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ ہندوستانی خواندہ مرد پڑھنے لکھنے کی مشقت اٹھانے کے بعد تہذیب و شائستگی، اخلاق جمیلہ اور طرز تکلم میں محض انگریز میموں کے ہم پلہ قرار پائے ہیں۔ انگریز مردوں کے بالقابل معاملہ ہنوز دلی دور است والا ہے۔

مصنف نے ضیافت کے اہتمام کے ذریعہ سے ہندوستانی خواتین کو آداب مجلس سکھانے کی جانب توجہ مبذول کرائی ہے۔ اس ضمن میں بھی معیار انگریز میمیں اور ان کی بے تکلف محافل بنتی ہیں۔ ہندوستانی خواتین کو پردے کی رسم کے باعث شاذ و نادر ہی گھر سے نکلنا نصیب ہوتا تھا۔ آپسی میل جول کے مواقع کسی تقریب میں شرکت کرنے پر میسر آتے، اس پر بھی بات بے بات حسد و رقابت کے باعث بے لطفی پیدا ہو جاتی اور نوبت جھگڑے، فساد تک جا پہنچتی ہے۔ اس کے برعکس انگریز خواتین روز بلا تکلف ایک دوسرے سے ملتی ہیں، ان میں الفت بڑھتی ہے، اس بے تکلفی کے باعث اخلاق و محبت اور نصیحت کی باتوں کے علاوہ مضامین دلچسپ اور متنوع موضوعات ان کی گفتگو کا حصہ بنتے ہیں۔ تمام انگریز خواتین خواندہ ہیں، اس لیے وہ بذریعہ چٹھی کوسوں دور بیٹھے ہوئے بھی اپنے ملک کے حالات سے باخبر رہتی ہیں۔

میموں کی مثال دے کر مصنف ہندوستانی خواتین کو نئی مجلسی زندگی کی جانب راغب کرتا ہے اس سے نہ صرف ہندوستانی خواتین کے آداب کی تبدیلی ہو گی بلکہ تحصیل علم مع ترغیبِ علم کا کام بھی لیا جا سکے گا، گزرتے وقت کے ساتھ پڑھی لکھی خواتین کا حلقہ وسیع تر ہوتا جائے گا اور ہندوستانی خواتین کی تعلیم کی راہ میں حائل تعصبات، رواجی پردے اور تنگ نظری کی رکاوٹیں دور کی جا سکیں گی۔

بینا اور نتھو سنگھ کی کہانی میں ایک اہم نکتہ یہ بھی ہے کہ بینا اپنی اکلوتی بہو کی تربیت بہت توجہ سے کرتی ہے، دونوں خواتین ناخواندہ ہیں لیکن بینا اپنے برتاؤ، اچھے اخلاق و عادات کے ذریعے سے بہو کو اتفاق سے رہنے کے گر سکھاتی ہے۔ بینا کی بہو بھی کوشش کرتی ہے کہ وہ یہ خاندانی اقدار و روایات کو اپنی بہوؤں تک منتقل کرے مگر

اسے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑتا ہے۔ بڑی بہو تند مزاج اور خیالات بد کی حامل ہے اس کی دیکھا دیکھی باقی سات بہوویں بھی ساس کی بجائے، جیٹھانی کی سُجھائی ہوئی راہ پر چل نکلتی ہیں۔

ان کی آئے روز کی لڑائیوں سے نہ صرف گھر کا سکون برباد ہوتا ہے بلکہ مسلسل کان بھرنے کی عادت سے بھائیوں میں بھی عداوت پیدا ہوتی ہے ۔ مصنف اس نفاق کا تمام تر بار جاہل خواتین کے کندھوں پر ڈال دیتا ہے. اختلاف اور چپقلش کی بنیاد خواتین کی جہالت ،بد نیتی اور بد دیانتی کو ٹھہراتا ہے جب کہ فی الاصل جھگڑے کی بنیاد تعلیم سے زیادہ معیشت سے جڑی ہے نھو سنگھ اولادِ نرینہ رکھتا ہے جب کہ رندھیر سنگھ ایک عیال دار شخص ہے۔ آٹھ بیٹے اور ایک بیٹی پھر پوتے پوتیوں سے بھرا پُرا کنبہ رکھتا ہے۔ افراد خانہ میں اضافے اور بڑے بھائی گجراج سنگھ کی مشترکہ آمدن میں سے خورد برد کے باعث آمدن سکڑنے لگتی ہے۔ معاشی مشکلات کی وجہ سے کنبے کو پیٹ بھر کھانا ملنا دو بھر ہو جاتا ہے۔ پہلے شکایات بڑھتی ہیں اور پھر عداوت۔ یوں اُن کا اتحاد پارہ پارہ ہو جاتا ہے۔ مصنف چندراوتی کی سسرالی خواتین کو حصول تعلیم کی راہ پر گامزن دیکھنا چاہتے ہیں اسی لیے فتنہ وفساد کی بنیاد ان پڑھ خواتین کو ٹھہراتے ہیں جب کہ تضاد یہ ہے کہ ان پڑھ تو مینا اور اس کی بہو بھی تھی۔

حصہ اول کے اختتام پر مرکزی قصے کا بنیادی کردار لیلاوتی گھریلو ناچاقیوں کا حل بھی پیش کرتا ہے یہاں بھی تعلیم سے زیادہ تربیت اور معاشی مساوات کا اصول کارفرما ہے۔ پہلا حل سب سے آسان ہے کہ خواتین بہ ذریعہ خواندگی ہی باطل اور ناقص خیالات کو دل سے نکال پائیں گی۔ دوسرا یہ کہ نئی نویلی بہو کو ساس نندیں دل سے قبول کریں اور قاعدے کے مطابق بیٹے کی آمدنی سے اس کا حصہ مقرر کر دیں۔ اگر ایسا کیا جائے گا تو روزِ اول سے ہی دل میں ساس اور سسرالیوں کے خلاف خیالات پیدا ہوں گے نہ ہی باہمی الفت میں خلل آئے گا۔ ساس نرمی اور توجہ سے بہو کی تربیت کرے گی تو بہو بھی گھر کا انتظام سنبھالتے ہی ساس کے درپے نہ ہو گی۔ جھگڑے سے بچنے کے لیے یہاں بھی آمدنی کی برابر تقسیم ضروری ہے تا کہ ساس حرف شکایت زبان پر نہ لا سکے یوں گھر کا سکون برقرار رہے۔ مصنف نے گھریلو جھگڑے رگڑے کو ختم کرنے کا جو حل بتایا وہ بھی آمدن کی مساویانہ تقسیم سے جڑا ہے۔

سرورق پر مصنف نے جو عبارت تحریر کی ہے اس میں بتایا گیا ہے کہ بغرض استعمال مدارس نسواں کے تصنیف کیا۔ اور دیباچے میں بھی بیان کیا کہ ایسی روز مرہ زبان استعمال کی گئی کہ مبتدی لڑکیاں بھی پڑھ سکیں گی۔ اسی بات کو مدنظر رکھتے ہوئے مصنف نے نہ صرف اسلوب سادہ رکھا بلکہ شعوری طور پر تکرار لفظی کا بھی التزام کیا ۔گھر گھر، دن دن، جگہ جگہ، تھوڑا تھوڑا، رفتہ رفتہ جیسے الفاظ بہ تکرار استعمال کیے ہیں تا کہ نہ صرف لفظوں کی پہچان

ہو بلکہ پڑھنے میں بھی روانی آجائے درج ذیل پیراگراف واضح کرتا ہے کہ مصنف نے محدود الفاظ کے استعمال سے اپنی بات کس خوبی سے پہنچائی ہے۔

"محلہ کی عورتوں کا عجیب حال تھا بہ سبب حسد اور جہالت کے یہ تو پہلے ہی سے ایسا موقع تک رہی تھیں کہ مینا کے خاندان میں جھگڑا ہو تو تماشا دیکھیں، کبھی کوئی عورت آتی، ایک کے پاس علیحدہ مکان میں بیٹھ کر گوش در گوش باتیں کر کر لڑنے جھگڑنے کی باتیں سکھلا جاتی، اور کی برائی اس کی بھلائی کی، پھر وہاں سے دوسری کے کمرے میں پہنچی، وہاں اسی کی بھلائی دوسری کی برائی کی، جب کبھی کسی تقریب سے عورتیں جمع ہوتیں، تو دو دو، تین تین، ایک ایک کی، طرف دار ہو ہو کر آپس میں خوب لڑائیاں کراتیں اور مزا دیکھتیں۔"(15)

قصے میں ایسے بہت سے الفاظ ہیں جنھیں الگ الگ لکھنے کہ بجائے ملا کر لکھا گیا مثلاً شکتیمان: شکتی مان، بدلجمعی: بہ دل جمعی، گٹھکٹوں: گٹھ کٹوں، بکشادہ: بہ کشادہ، لگینگی: لگیں گی، ہونیسے: ہونے سے، تمسے: تم سے، نہونگے: نہ ہوں گے، نیکنھاد: نیک نہاد، کرنیوالا: کرنے والا، نیکونکی: نیکوں کی۔ تدوین کے دوران ان الفاظ کو علیحدہ علیحدہ لکھا گیا ہے تاکہ مطلب واضح ہو جائے۔ مصنف نے بیشتر مقامات پر ن غنہ کی بجائے نون لکھا ہے مثلاً مان، باتون، مین، کہان، کہین، نہین، وہین، آنکھین، لکھین، پڑھین وغیرہ ان تمام الفاظ کو مدون کرتے ہوئے نون غنہ کے ساتھ لکھا گیا ہے۔ قصے میں ہائے ہوز کو اضافی طور پر برتا گیا ہے مثلاً آنکھہ، یہہ، مورکھہ، بچھہ، بیٹھہ، رتھہ۔ اسی طرح ہائے مخلوط کا استعمال بھی بے جا نظر آتا ہے مثلاً بھینا، کھانی، کھلوائیں، اونھوں، بھوئیں۔ واؤ حرف کو لفظوں کے درمیان لکھا گیا ہے مثلاً اون، اوس، بوڑھیا، اونھوں، پوہنچا، آویں، جاوئے گا، پہونچ وغیرہ ان سب کو جدید ملاء کے ساتھ لکھا گیا ہے۔ بعض الفاظ کی املاء بولنے کے انداز پر ہی لکھی گئی ہے مثلاً چاول کو چانول، تیاری کو طیاری، چولھا کو چولہ، علیحدہ کو علحدہ وغیرہ ان کی املاء درست کی گئی ہے۔ پورے قصے میں لفظ ہے کو یائے مجہول سے لکھا گیا ہے، جب کہ جملے اور پیراگراف کے اختتام پر * کا نشان لگایا گیا تھا۔ متن کی ترتیب دیتے ہوئے جہاں کہیں ضرورت محسوس ہوئی رموز او قاف کی علامتیں بھی لگائی گئی ہیں۔

ذیل میں قصے کے حصہ اول کا متن دیا جا رہا ہے۔ پہلے سرورق ملاحظہ ہو:

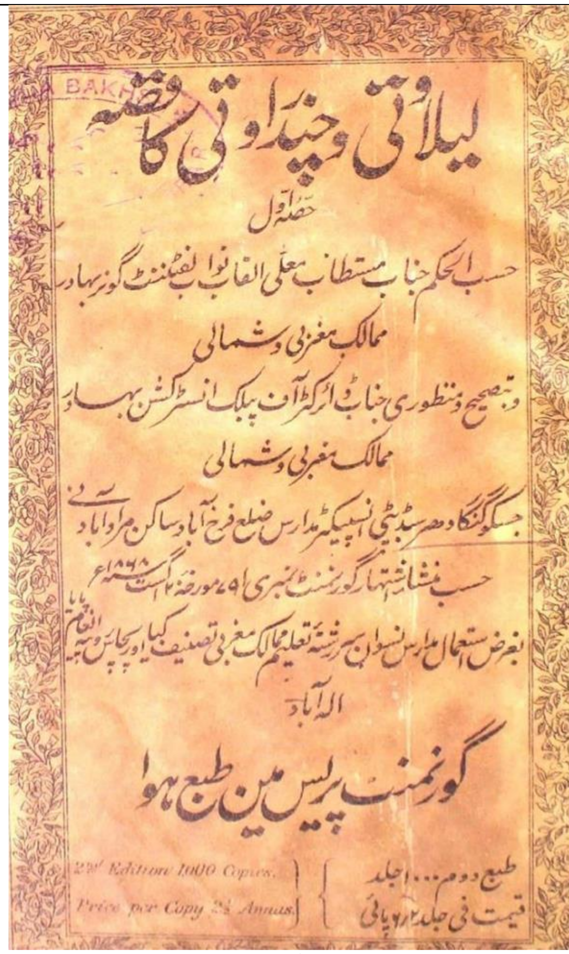
لیلاوتی وچندراوتی کا قصہ
حصۂ اول
حسب الحکم جناب مستطاب معلی القاب نواب لفٹننٹ گورنر بہادر
ممالک مغربی و شمالی
وبتصحیح ومنظوری جناب ڈائرکٹر آف پبلک انسٹرکشن بہادر
ممالک مغربی و شمالی
جسکو گنگادھر سب ڈپٹی انسپکٹر مدارس ضلع فرخ آباد ساکن مرادآباد نے
حسب منشا اشتہار گورنمنٹ نمبری ۷۹۱ مورخہ ۲ اگست ۱۸۶۸ء
بغرض استعمال مدارس نسواں سررشتۂ تعلیم ممالک مغربی تصنیف کیا اور پچاس روپیہ انعام پایا
الہ آباد
گورنمنٹ پریس مین طبع ہوا
2nd Edition 1000 Copies.
Price per Copy 2½ Annas.
طبع دوم ... اجلد
قیمت فی جلد

لیلاوتی وچندراوتی کا قصہ، حسب الحکم جناب مستطاب معلّی القاب لفٹننٹ گورنر بہادر ممالک مغربی وشمالی وبہ تصحیح و منظوری جناب ڈائرکٹر آف پبلک انسٹرکشن بہارو ممالک مغربی وشمالی جس کو گنگادھر سب ڈپٹی انسپیکٹر مدارس ضلع فرخ آباد ساکن مراد آباد نے حسبِ منشا اشتہار گورنمنٹ نمبر 791 مورخہ 2 اگست 1868ء بغرض استعمال مدارسِ نسواں سر رشتۂ تعلیم ممالک مغربی تصنیف کیا اور پچاس روپیہ انعام پایا۔ الہ آباد گونمنٹ پریس میں طبع ہوا۔

دیباچہ

اول میں دھیان کرتا ہوں اس شکتی مان جگ دیشر کا؛ جس کی لیلا اپرم پار ہے ذرہ سے لے کر سورج تک، کیا پھول، پھل، کیا جانور؛ جس کی طرف غور کیا جاتا ہے کوئی اس کی مایا سے خالی نہیں پایا جاتا؛ اس کی تعریف میں آج تک سب نے اقرار یہی کیا ہے کہ جتنی ہو سکے تھوڑی ہے۔ رہا انت اس کا، تو کسی نے پایا اور نہ امید ہے کہ پاوے۔

جوں ہی اس دھیان سے آنکھ کھلتی ہے اپنی پادشاہِ وقت جناب ملکہ کوئن وکٹوریا مالکِ ہند اور انگلینڈ کا خیال آتا ہے، جن کی خوش انتظامی سے جدھر نگاہ جاتی ہے، چین چان نظر پڑتا ہے۔ ہر ایک اپنے کاروبار میں، بہ دل جمعی مصروف ہے، نہ کسی کو اپنے دشمن کا خوف ہے، نہ کسی کارپرداز کا ڈر ہے، قانون کی پابندی پر سب کی تسلی ہے، آئین پر نگاہ ہے، نہ رات کو چور کا خوف ہے، نہ دن کو ٹھگوں کا زور ہے، تار برقی اور ریل پر جدا ہی ناز ہے، مشرق سے مغرب کی خبر ایک لحہ میں بکشادہ پیشانی ہر کوئی بھیج دیتا ہے اور منگالیتا ہے یا جس وقت جی چاہا خود ہی ہو آیا، گویا ایک جادو سا نظر پڑتا ہے۔ علم کی روشنی نے بہت سا اندھیرا تو کھو دیا ہے باقی بھی قریب اجالا ہونے کو ہے۔ جہاں دیکھیے پڑھنے لکھنے کا چرچا ہے، کیا امیر، کیا غریب ہر ایک حوصلہ تحصیلِ علم کا رکھتا ہے۔

خوبی مقسومِ رعایا سے اس سمے میں ایک اور افزونی ہوئی ہے کہ جناب آنر بیل سر ولیم مور صاحب لفٹننٹ گورنر بہادر مسند آرائے حکومت ہیں۔ جن کی توجہِ بلیغ سے عنقریب نظر آتا ہے کہ جہالت کا نام ونشان اس خطے سے جاتا رہے اور وہ دن سر پر آجاوے کہ عورتیں بھی ہندوستان کی تحصیلِ علم کو اپنا فخر سمجھنے لگیں اور مرد اپنی خوش نصیبی کا باعث جانیں۔ جب ایسے لفٹننٹ گورنر بہادر اور جناب مسٹر کیمسن صاحب بہادر مخاطب بخطاب ایم اے سے ڈائرکٹر سررشتۂ تعلیم ہوں تو کیوں نہ ایسی امیدیں پوری ہوں۔

اب دعا اس مسبب الاسباب سے یہی ہے کہ یہ وقت اور ایسے حاکم ہمیشہ رعایا کے سر پر بنے رہیں۔ اس نحیف گنگادھر نے نظر بقدر دانئ حکام اور نیز اپنی عادت کے موافق کہ ابتدائے عمر سے تعلیم تعلم کے شغل میں رہا یہ ارادہ مصمم کیا ہے کہ اردو زبان میں جو محاورہ اور بول چال عورتوں سے تجاوز نہ کرے اور نیز رسم ورواج ہندوستان اس سے ظاہر ہوں ایسی کتابیں تیار کرے جن کو اول سے مبتدی لڑکی پڑھنا شروع کرے اور آخر تک اس کو استعداد زبانِ اردو ہو جائے۔ لیکن اس ارادے کے پورا کرنے میں ہمت باندھنے کے لیے پہلا منصوبہ یہ باندھا ہے کہ یہ چند اجزا بطور نمونہ کے بہ حضور اپنے حاکم قدردان پیشکش کر کر دیکھوں کہ لائقِ قبولیت ہیں۔ اس کتاب میں شروع سے آخر تک ان الفاظ سے حتی الامکان احتراز کیا گیا ہے جو عربی فارسی وغیرہ زبانوں کے ہیں بلکہ وہ زبان ہے جو شہروں کے باشندوں کی بہو بیٹیاں اکثر سمجھ سکتی ہیں، خصوصا پڑھے لکھے خاندانوں کی تو خوب سمجھ لیں گی۔ تھوڑی رسم ورواج اس حصہ میں پائی جائے گی اور باقی، اَور حصوں میں کئی حصے کرنا، اس وجہ سے مناسب سمجھا گیا ہے کہ ایک جلد سے جس کا حجم زیادہ ہوتا ہے، اکثر پڑھنے والے کا دل گھبرا جاتا ہے۔ نام اس کتاب کا "لیلاوتی وچندراوتی کا قصہ" ہے۔

لیلاوتی وچندراوتی کا قصہ

حصہ اول

جاننا چاہیے کہ لیلاوتی اور چندراوتی دو لڑکیاں ایک شہر کی رہنے والی تھیں۔ لیلاوتی اپنے گھر کی بہت آسودہ تھی اور چندراوتی بھی دال روٹی سے خوش تھی۔ لیلاوتی کے ماں باپ نے اس کو ناگری اردو پڑھائی لکھائی رفتہ رفتہ اس کو ناگری اردو کا اچھا ابھیاس ہو گیا۔ عمدہ عمدہ کہانیاں کتابوں سے یاد کرتی، لکھنے پڑھنے کی باتوں میں اس کا دل لگا رہتا اور اس کے وسیلے سے اس کا اخلاق اور ادب اور برتاؤ نہایت عمدہ ہو گیا۔ لیلاوتی کی ماں کو کشیدہ کا کام نہایت اچھا آتا تھا۔ چندراوتی کی ماں نے اپنی لڑکی کو اس کی تعلیم کشیدہ میں سپرد کیا۔ چندراوتی ہر دن لیلاوتی کی ماں کے پاس آتی اور کشیدہ کا کام سیکھتی۔ لیلاوتی پڑھنے لکھنے میں مصروف رہتی۔

اس اتفاق سے اکثر ان کو ایک جگہ گھنٹوں رہنا ہوتا۔ رفتہ رفتہ آپس میں محبت بڑھ گئی اور حسب رواج انہوں نے آپس میں سررشتۂ بہناپا جوڑا، محبت کی باتیں روز ہوا کرتیں، ایک دوسرے کے ملنے سے بہت خوش رہتیں، اکثر بوقتِ تذکرہ دونوں مل کر پرم ایشر سے یہ دعائیں مانگتیں کہ ایسا سنجوگ ہووے، جو ہم تم دونوں ایک قصبہ یا شہر، یعنی ایک جگہ بواہی جائیں تو، ہمارا تمھارا یہی اتفاق رہے اور جب وہاں کاروبار خانہ داری میں ہم کو دخل ہو اور مالک اپنے اپنے گھر کی ہوں، تو ہمارا تمھارا بہناپا خوب رونق پکڑے، برادری کے معاملات سے ایک دوسرے کا مان بڑھے۔

نارائن کی شان ایسا ہی ہوا کہ وہ ایک شہر اور ایک محلہ میں ہی بواہی گئیں۔ اول لیلاوتی کی نسبت ایک اچھے خاندان میں ہوئی رفتہ رفتہ کچھ مہینوں کے بعد اس کی شادی کے ایام قریب آ پہنچے۔ اب تو جب یہ دونوں ملتیں افسوس کر کر آپس میں کہتیں کہ دیکھو بھینا! ہم تم کہاں کہاں ہو جائیں؟ پھر کب کب ملنا ہو؟ کرتا کی گتی میں کچھ دخل نہیں۔ ابھی تک چندراوتی کی شادی کہیں نہیں ٹھیری تھی کہ لیلاوتی کی شادی کا مہورت آیا۔ حسب قاعدہ برات آئی اور پھیرے پڑ کر اُس کی رخصت کا وقت آیا۔ رخصت کے وقت لیلاوتی کی بے قراری کا کچھ پایاں نہ تھا، زار زار ہفتوں سے رونا اس کا کام تھا۔ اول تو اپنے ماں باپ اور گھر سے ایک لخت علیحدہ ہونا کیسا کچھ اس کو دکھ دے رہا تھا اور جس وقت کہ چندراوتی آ جاتی تو خوب سماں بندھتا، دونوں آپس میں کبھی ملتیں، کبھی روتیں، کبھی چپ رہتیں۔

لیلاوتی پڑھی لکھی تھی اور اکثر مضامین اور کہانیاں اور ایسی محبت اور علیحدگی اوروں کی اس کو یاد تھیں، اس لیے پھر چنداروتی کو وہی سمجھاتی اور دونوں صبر کرتیں، کہ اسی حالت میں سواری میں سوار ہونے کا وقت آ گیا، ہر ایک سے رو رو کر رخصت ہوئی۔ چندراوتی سے ملتے ایک آہ بھر کر اس نے یہ بھی کہا کہ دیکھ اگر پرم ایشر چاہے تو تیرا ٹیوہ میں اسی شہر اور محلہ میں ملواؤں گی۔ اتنا کہہ کر اس سے رخصت ہوئی اور اپنی سسرال کو گئی۔ بعد علیحدہ ہونے کے چندراوتی اداس رہتی اور لیلاوتی کا بھی وہاں یہی حال تھا۔ جس سے ملتی چندراوتی کے بر ڈھونڈھنے کی فرمائش کرتی۔

کیا قدرت ہے اس کی کہ اس کی سسرال کے پاس جو گھر برادری کا تھا، وہاں ایک لڑکی کے ٹیوہ کی تلاش تھی۔ لیلاوتی تو ایسے موقع کی فکر میں تھی ہی، لیکن اس نے سوچا کہ میں ابھی بیاہی ہوں کسی سے ابھی واقفیت نہیں، بے دھڑک منہ سے ایسی بات نکالنا چھوٹا منہ اور بڑی بات ہے، میری کون مانے گا؟ البتہ بڑوں کا یہ کام ہے۔ غرض یہ منصوبہ اس نے اپنے من میں بٹھایا کہ کسی پہلو سے ساس سے یہ ذکر کروں اگر وہ قبول کریں گی تو ان کی معرفت البتہ ایسا پیغام لڑکے والے کے یہاں اثر کرے گا۔ ایسے وقت کو ٹٹولتی رہی اور لڑکے والے کے گھر کی کیفیت برہمنی ٹہلنیوں سے وقتاً فوقتاً پوچھتی رہی، کبھی کسی سے دریافت کرتی کہ اری! فلانے کا لڑکا کے برس کا ہے؟ کسی سے دریافت کر لیتی کہ صورت شکل میں کیسا ہے؟ کوئی روگ تو اس کو نہیں ہے؟ کبھی دریافت کر لیتی کہ دال روٹی سے اس کے ماں باپ خوش ہیں؟ غرض اسی تذکرہ اور چرچا میں ہر روز جب کوئی محلہ کے اس طرف کی، اُس کے گھر آتی دریافت کیا کرتی۔

اسی طور سے ایک روز ایک پنڈتائن جو خاص لڑکے والے کے گھر کے پاس کی رہنے والی تھی، لیلاوتی یہی حال دریافت کر رہی تھی کہ اسی عرصہ میں اس کی ساس بھی آ گئی اور یہ بھنک ان کے کان تک بھی پہنچ گئی۔ تب تو ساس نے جی میں سوچا کہ بہو کو فلانے کے گھر کی تلاش کیوں ہے؟ اس کا سبب تحقیق کرنا چاہیے۔ اس وقت تک کہ وہ برہمنی بیٹھی رہی کچھ ذکر نہ کیا اور یہ دونوں بھی ساس کو آتا دیکھ کر اس ذکر کرنے سے خاموش رہیں۔ جوں ہی وہ پنڈتائن جی اٹھ کر گئیں، ساس نے پوچھا کہ اے بہو! تم کو فلانے کے گھر کی تحقیقات کیوں درپیش ہے؟ تم ابھی کہیں آئی گئی بھی نہیں ہو، جو کسی بہو بیٹی سے ملاقات ہوئی ہو، اس موقع پر لیلاوتی نے چندراوتی کا ذکر کرنا بہت مناسب سمجھ کر، نیچے آنکھیں کر کے ساس سے عرض کیا۔ اجی! کیا کہوں اپنے تیئں ایسی بڑی بار تا کے لائق نہیں سمجھتی ہوں۔ ساس نے کہا نہیں بہو کیا ڈر ہے تم غیر تھوڑی ہی ہو؟ اگر کوئی بات ایسی ویسی کہو گی تو میں تم کو سمجھا دوں گی جی میں رکھو گی تو اگر ہے، تو وہ غلطی تمہاری قائم رہے گی۔ لیلاوتی بولی اجی! بات تو یوں ہے کہ چندراوتی نام کی ایک لڑکی

میرے میکے کی بہنا پلی وہیں کی رہنے والی ہے، جس دن میں اس سے علیحدہ ہوئی ہوں اس میں جی پڑا رہتا ہے۔ فلانی نائن کے بیان سے مجھ کو معلوم ہوا ہے کہ اس گھر میں جس کا ذکر میں ابھی آپ کے آنے سے پہلے پنڈتائن جی سے کر رہی تھی، لڑکی کے ٹیوے کی تلاش ہے۔ سو میں نے ٹہلنی وغیرہ سے ان کے یہاں کی تحقیق کر لیا ہے کہ لڑکے کی عمر، مطابق عمر چندراوتی کے ہے۔ چندراوتی کی عمر بارہ تیرہ برس کی ہے اور اس لڑکے کی سنا ہے کوئی پندرہ برس کی ہے۔ سو میں یہ چاہتی ہوں کہ چندراوتی کا ٹیوہ اس لڑکے کے ٹیوہ سے ملایا جائے۔ اگر ایسا سنجوگ ہو جائے کہ موافق آجائے تو بڑی اچھی بات ہے اور یہ خیال مجھ کو ایک ہفتہ سے تھا، لیکن آپ سے کہنے کا موقع نہیں ملتا تھا، آج ڈھب لگے پر میں نے ظاہر کیا۔

ساس نے کہا بہو یہ کیا بڑی بات ہے تم اپنے گھر کہلا بھیجو ٹیوہ چندراوتی کا آجاوے اور میں لڑکے والے کے گھر ابھی کہلائے بھیجتی ہوں کہ ہم نے تمہارے لڑکے کے لیے ایک لڑکی تلاش کی ہے، ہمارا اُن پر مفت کا احسان ہو گا، کہ فوراً نائن کی معرفت لیلاوتی کی ساس نے وہاں کہلا بھیجا۔ لڑکے کی ماں نے بڑا اُگن مانا اور بہت خوشی سے اپنے لڑکے کا ٹیوہ اس کے حوالہ کیا۔ لیلاوتی نے ملوانے کو فوراً اپنے گھر بھیج دیا۔ حسنِ اتفاق سے سنجوگ کی بات کہ جب پنڈت جی کو دکھلایا گیا فوراً موافقت آگئی۔ یہ خوشخبری سنتے ہی چندراوتی دل ہی دل میں پھولی نہ سماتی تھی اور جب یہ خبر لیلاوتی کو پہنچی اور پیامِ سگائی پہنچا، اس کی خوشی کا تو کیا ٹھکانا تھا، سیکڑوں ڈنڈوتیں کر کر، پرم ایشر کا شکر ادا کرتی اور بار بار کہتی کہ میں یہ سپنا دیکھتی ہوں یا اصل میں ایسا ہی ہے۔

الغرض بعد چھ مہینے کے چندراوتی اسی شہر اور محلہ میں لیلاوتی کے بواہی گئی اور ہمیشہ کو یہ دونوں ایک ہی جگہ رہیں۔ اکثر بلکہ ہر روز بوقتِ فرصت جب یہ کاروبار خانہ داری سے نمٹتیں، ایک جگہ بیٹھ کر محبت اور پیار کی باتیں کیا کرتیں۔ رفتہ رفتہ اپنے اپنے گھر کے کل اختیار حاصل ہوئے، اب تو ایک دوسرے کے پاس تحفہ تحائف بھیجنے کا رواج جاری ہوا اور ایک دوسرے کی مدد برادری کے معاملات میں بوقتِ موقع کرتیں۔ جس سے برادری میں ان کا مان بڑھتا۔ لیلاوتی ہمیشہ اپنے گھر کو چٹھیاں لکھتی اور اس کا جواب اپنے بھائی سے منگواتی اور سب حال اپنے میکے کا اس کو معلوم رہتا، چندراوتی کو سنایا کرتی۔ چندراوتی اکثر اس بات کا افسوس کیا کرتی کہ میں نے نہ لکھا پڑھا، ایسی چٹھی پتری میں بھی لکھا پڑھا کرتی، لیلاوتی جواب دیتی کہ بہنا میں تو تجھ سے جب بھی کہا کرتی تھی کہ تو بھی پڑھ لکھ لے، اس کا پھل بہت اچھا ہے اور اب بھی تو وقت نہیں گیا، گھنٹے دو گھنٹے اس کا بھی شغل کیا کر، یقین ہے کہ جلد تجھ کو لکھنا پڑھنا آجاوے گا۔

غرض کہ اس کی نصیحت سے چندراوتی نے لکھنا پڑھنا شروع کر دیا، اب تک تو ان کو ملنے جلنے اور پڑھنے لکھنے کی چرچا کا وقتِ فرصت ملتا رہا مگر جب خانہ داری کے کاروبار بہت سے بڑھ گئے تب فرصت کم ہی ملتی تھی۔ مگر تاہم چندراوتی تھوڑا بہت بوقتِ فرصت لکھنے پڑھنے کا ابھیاس ضرور کرتی۔ رفتہ رفتہ اس کو ناگری لکھنے پڑھنے کا اچھا ربط ہو گیا۔ چندراوتی کے گھر کے آدمی بہت تھے، دیورانی اس جٹھانی کی عورتیں اس کے خاندان میں بہت تھیں، چندراوتی چونکہ لیلاوتی کی صحبت یافتہ تھی اس کو ادب اور لحاظ اور اخلاق بہت تھا۔ بر خلاف اور عورتوں اپنے گھر والیوں کے، جب کبھی لڑائی جھگڑے کی بات ہوتی، چندراوتی بہت گھبراتی اور دق ہوتی، جب زائد تنگ ہوتی تو لیلاوتی کے پاس آکر شکایت کرتی اور کہتی کہ اور تو مجھ کو سب سکھ ہے لیکن گھر والوں کے آپس کے جھگڑے اور فساد سے میں بہت تنگ ہوتی ہوں۔ لیلاوتی یہی جواب دیتی کہ بھینا یہ سارا پھل ان پڑھ ہونے کا ہے۔

چندراوتی: پھر اس کا علاج کیا ہے؟

لیلاوتی: سن بھینا! سوائے اس کے اور کیا علاج ہے کہ لکھیں پڑھیں، سو یہ ہونا کٹھن دکھلائی دیتا ہے، تجھے چاہئے کہ جس وقت فرصت ہو اچھی اچھی کہانیاں جن سے آپس کی محبت اور اخلاق بڑھے ان کو سنایا کر شاید اس سے اثر ہو جاوے اور لڑائی جھگڑے میں وہ من نہ لگاویں۔

چندراوتی: اچھا بھینا میں ایسا ہی کیا کروں گی۔

چندراوتی اکثر ایسا ہی کیا کرتی، کہانی قصوں میں اپنے گھر کی عورتوں کو نصیحت کیا کرتی، مگر وہاں بازار جہالت کا گرم تھا کم اثر ہوتا۔

چندراوتی: سن بھینا لیلاوتی!

میرے گھر کی عورتوں کو تو اثر ہوتا نہیں۔

لیلاوتی: تیرے کہانی قصے وہ سن بھی لیتی ہیں؟ اور کسی پر بھی اثر ہے؟

چندراوتی: ہاں من لگا کر تو سن لیتی ہیں اور ایک لڑکی جس کا نام کیشر ہے وہ تو اس پر عمل بھی کرتی ہے۔ اپنی ماں اور چاچی کو لڑنے جھگڑنے کے وقت سمجھاتی بھی ہے اور اس نے مجھ سے لکھنا پڑھنا بھی شروع کیا ہے۔

لیلاوتی: بھینا اتنا بھی بہت ہے۔ اب تو تیری ایک نے سنی اور مانی ہے، اور پھر اَور بھی ایسا ہی کرنے لگیں گی، مورکھوں کو سمجھانا بہت مشکل ہے۔

تیسرے چوتھے روز چندراوتی نے ایک وقت پھر وہی کہانی اپنے گھر کے رگڑے جھگڑے کی لیلاوتی سے چھیڑی۔

لیلاوتی بولی بھینا! میں یہ تیرے گھر کا سب کا ذکر جو تونے دن دن کہا تھا، جوں کا توں پرسوں رات اپنے پت سے کہا تھا اور جو میں نے تجھ کو نصیحت کی تھی، کہ سب کو سمجھایا کر وہ بھی سنادیا اور میرے تیرے درمیان سوال وجواب ہوتے رہے سب کہہ سنائے۔ اس پر انہوں نے جواب دیا کہ تم نے جو نصیحت چندراوتی کو کی وہ ٹھیک اور آزمودہ ہے، یہ کہ کر مجھ کو ملکہ وکٹوریا شاہزادی مالک انگلستان اور ہندوستان کی عملداری کا مختصر حال اس طرح پر سنایا جو میں تجھ سے کہتی ہوں۔ اری سن! ملکہ وکٹوریا نام شہزادی ہیں انگلستان میں، جن کی عملداری میں تمام انگلستان اور ھندوستان میں، جہاں ہم تم رہتے ہیں، امن و امان جیسا ہے وہ تو ظاہر ہے؛ چاہے ایک بڑھیا ہاتھ پر سونا اچھالتی پورب سے پچھم تک چلی جائے اور کوئی آنکھ بھر کر بھی نہ دیکھے؛ ان پڑھوں کے لیے جو انتظام انہوں نے کیا، اس کا کہنا ضرور ہے؛ اور وہ یہ ہے کہ اوّل تعلیم کی ایک کچہری مقرر کی اور جگہ جگہ ہر ضلع میں ایک اہل کار، جس کا نام ضلع وزیٹر اور اب ڈپٹی انسپکٹر اور ہر پرگنہ میں ایک ایک سب ڈپٹی انسپکٹر، جن کا نام پہلے پرگنہ وزیٹر تھا مقرر کئے۔ بہت دنوں تک ان لوگوں کا یہی کام رہا کہ جس مجلس میں یا جس مجمع یا شہر یا گاؤں میں ملے یا پہنچے، ہدایت پڑھانے لکھانے لڑکوں کی ایک مدارس سرکاری میں کی۔

پت کا بیان ہے کہ میں نے اپنی آنکھ سے دیکھا کہ وہ لوگ جن کو سمجھایا جاتا، سنتے بھی نہیں تھے بلکہ ایسے جواب رُکھائی کے دیتے تھے، جس سے اس وقت یہ ظاہر ہوتا تھا کہ رواج لڑکوں کے بھیجنے کا سرکاری مدرسوں، میں شاید کبھی ہندوستان میں نہ ہوگا اور تم سچ جانو کہ مجھ کو بھی یقین نہ ہوتا تھا، میں بھی لوگوں کو سمجھاتا مگر سُوکھا جواب پاتا۔ بہت عرصہ تک بلکہ ایک جُگ تک یہی حال رہا مدرسے تو ہر تحصیل اور ہر پرگنے میں جاری ہوگئے مگر لڑکے بہت کم آتے تھے اور جتنے اشراف لوگ تھے، وہ تو ادھر رُخ بھی نہیں کرتے تھے۔ رفتہ رفتہ یہ نوبت پہنچی کہ جاہلوں کے لڑکے پڑھ پڑھ کر امتحان دینے لگے اور بعد امتحان ان کی رسائی حکام تک ہوگئی، کرسیوں پر بیٹھنے لگے، اچھی اچھی نوکریاں پانے لگے۔ ادھر سر رشتۂ تعلیم کے اہل کاروں کی فہمائش برابر چلی ہی جاتی تھی۔ اب یہ حال ہوگیا کہ کالجوں سے استاد لڑکوں کو نکال دیتے ہیں اور پھر ان کے باپ ہزار ہزار خوشامد اور سفارش لاتے ہیں کہ بھرتی کرلو۔ جگہ جگہ مدرسے لڑکوں سے پُر ہوگئے، تمام لوگ پڑھنے لگے گاؤں گاؤں پڑھے لکھے موجود ہوگئے، اب میں دیکھتا ہوں کوئی ایسا گاؤں نہ ہوگا جہاں دو چار مدرسے کے پڑھے ہوئے نہ ہوں گے، اور اپنا کام روز مرّہ نہ کرسکتے ہوں گے۔ دیکھو فہمائش کو یہ اثر ہے پھر تم اور چندراوتی اگر اور عورتوں کو سمجھاتی رہو گی تو ضرور اثر ہوگا۔

چندراوتی: ہاں بہنا! سچ ہے میرا ابھی من پہلے لکھنے پڑھنے میں نہیں لگتا تھا تیری فہمایش نے ایسا اثر کیا کہ میں کچھ پڑھ لکھ گئی۔ میں تجھ سے دریافت کرتی ہوں کہ جیسا بندوبست مہارانی ملکہ وکٹوریا نے لڑکوں کے پڑھنے کا ہندوستان میں کیا لڑکیوں کے پڑھنے کا کیوں نہیں کیا؟ یہ بھی تم نے اپنے پت سے ٹٹول کی تھی؟

لیلاوتی: ہاں بھینا! یہ تو تُو نے میرے دل کی بات کہی میں نے پوچھا تھا اس کا جواب انہوں نے یہ دیا کہ بہت جگہ تو مدرسے لڑکیوں کے جاری ہو گئے ہیں اور سیکڑوں لڑکیاں ہندو مسلمانوں کی پڑھتی ہیں لیکن ابھی اچھا اثر نہیں ہوا ہے وہی حال ہے جیسا پہلے لڑکوں کے پڑھنے لکھنے کا تھا سرکار کی کوشش اور فہمائش جیسی لڑکوں کے باب میں ہے اس سے زائد لڑکیوں کے واسطے ہے۔ رفتہ رفتہ جب جہالت اور مورکھ پن ہندوستان سے بالکل جاتا رہے گا تو جو لڑکوں کے پڑھنے لکھنے کا حال ہے، وہ ہی لڑکیوں کا ہو جاوے گا اوراس وقت میں تم دیکھو گی کہ یہ لڑائی اور جھگڑے ہر وقت کے، جو عورتوں میں رہتے ہیں سب جاتے رہیں گے اور بہت عمدہ سمجھ ان کی ہو جائے گی۔ دیکھو میں تم سے ایک اعلیٰ خاندان کا ذکر کرتا ہوں جس سے تم کو جان ہو گی کہ ان پڑھ اور کم سمجھ ہونے سے کیا کیا خرابیاں ہوتی ہیں اور جب کچھ پڑھنے لکھنے اور علم کی چرچا ہوتی ہے تو کیا کیا خوبی ہوتی ہے اور کیسی ثروت اور کچھمین پراپت ہوتی ہیں۔

یہ قصہ تم کو سناتا ہوں جہاں تمھاری سمجھ میں نہ آوے وہاں مجھ کو روکنا میں خوب سمجھادوں گا۔

قصہ

ایک اچھے خاندان کا ذکر ہے جس کا اعلیٰ وارث نتھو سنگھ تھا اس کی عورت کا نام مینا تھا۔ یہ نتھو سنگھ بڑا نامی اہل کار ملازم سرکار شاہِ اودھ تھا۔ اس کی عورت نہایت نیک چلن اور خوش اخلاق تھی تمام محلے کی عورتیں اس کی محبت اور دینے لینے میں موہ رہی تھیں۔ دن بھر اس کے پاس آنا جانا محلے کی عورتوں، بہو بیٹیوں کا رہتا۔ چونکہ یہ مینا اپنے گھر سے بہت خوش اور آسودہ تھی اس لیے اکثر کھانے پینے کی چیزیں محلہ میں تقسیم ہوا کرتیں اور سب واہ واہ کہتیں۔ اس کے ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام رندھیر سنگھ تھا۔ لڑکے کے پیدا ہونے پر بہت خوشی ہوئی، گاجے باجے کا سماں رہا اور جو مینا سے تمام محلہ کی عورتیں خوش تھیں اور ایک مدت سے آرزوئیں منتیں مانگتی تھیں کہ مینا کے لڑکا پیدا ہو۔ آج تو ان کی خوشی کا ٹھکانہ نہ تھا، اپنے اپنے گھروں سے جوق جوق مبارک باد کہتی ہوئی مینا کے پاس آکر مبارک باد دی اور اس سبب سے کہ مینا کی محبت اور برتاؤ سے سب راضی تھیں کسی کو حسد اس کے لڑکا ہونے کا نہ ہوا۔

جیسا کہ دستور ہے کہ جب کسی عورت کے لڑکا پیدا ہوتا ہے تو اور عورتوں کو بہت رشک ہوتا ہے خصوصاً دیورانی جٹھانیوں کو جن کے اولاد نہیں ہوتی یا زندہ نہیں رہتی۔ دایہ وغیرہ کو انعام ہوا سب طرف سے آواز مبارک

باد کی کانوں میں پہنچی اور مینا بھی اپنی اس خوشی سے پھولی نہ سماتی تھی، برہمنی ٹہلنی وغیرہ جتنی اس کے گھر کی تھیں زر سے مالا مال ہوئیں، چھٹے روز حسب دستور لڑکے کی چھٹی کا دن ہوا، تمام برادری کی عورتوں مردوں کو نیوتہ کے چاول گھر گھر ہم دست نائیوں کے بھیجے گئے اور تیاری کھانے پینے کی ہوئی، سہ پہر کو گھر گھر کی عورتوں نے ضیافت میں جانے کی تیاریاں کیں۔ جیسا جیسا جس کو میسر تھا اوڑھا، پہنا اور مینا کے گھر جانے کی نہایت خوشی کی۔ سہ پہر کو جب بلاوا دوسرا پہنچا سواری، ڈولی، بیل، رتھ پہنچنے پر سب سوار ہو کر مینا کے گھر آئیں۔

مینا کی طرف سے جو عورتیں قرابتی واسطے انتظام کے مقرر تھیں، انھوں نے دروازے سے ان کا باری باری سے آو آو کیا اور فرش پر لے گئیں جو بہت زینت سے بچھ رہا تھا۔ شام تک اسی طور پر سب جمع ہو گئیں۔ ادھر مالن بندھن وار لے کر پہنچی اور خوشی خوشی دروازوں پر حسب دستور سب کے اس بندھن وار کو جدا جدا باندھا اور محلہ میں بھی جو مینا کی رشتہ دار تھیں ان کے دروازوں پر بھی بندھن وار باندھ آئیں اور انعام مناسب پائے۔ جب رات ہوئی روشنی کا سامان جہاں تہاں ہو گیا اور ہر ایک عورت اپنے قاعدوں کے موافق صف باندھ کر بیٹھ گئی، کھانے پینے کا چرچا ہوا، انتظام کرنے والیوں نے جلد جلد کھانا ہر ایک کے سامنے پروس دیا، کھانا پروسنے والیاں یہاں اپنے کام میں مصروف تھیں اور عورتیں اپنی اپنی رشتہ داروں اور بہناپلیوں سے مصروف گفتگو تھیں۔

جو عورتیں خوش اخلاق اور نیک نیت تھیں آپس میں صحبت کی باتیں کرتی تھیں، ایک دوسرے کے حال کی پرسان تھیں، ایک دوسرے کے بچوں کو دیکھ کر خوش ہوتی تھی، ایک دوسرے کے خاوند کا حال بلطف تمام دریافت کرتی تھیں اور ایسے عمدہ اتفاق سے جو بہ وجہ پردہ نشنی کبھی کبھی نصیب ہوتا ہے بہت خوش کرتی تھیں۔ اور جو عورتیں بدخو کینہ توز تھیں ان کا حال نہ پوچھیے عجیب تھا، کسی بچے کو دیکھ کر رشک کرتیں، جو اپنے نہ ہوا اور اگر ہوا بھی تو دوسری کے خوبصورت بچے کا رشک کھاتیں کہ اپنا بدصورت ہے اور بالفرض اپنا چاہے چاند سا ہی ہو، لیکن دوسرے کا بُرا معلوم ہوتا ہے یا بہوؤں کا رشک ہے۔ ہائے! اوروں کے ایک ایک، دو دو رہیں ہماری نہیں، اور اگر اپنی بھی ہے تو وہ ہی رشک جو بچوں کا اوپر ذکر ہوا۔ کسی کے زیور کپڑے کا رشک ہے، کسی کے خاوند کی برائی ہے، کسی عورت سے جٹ گئیں، چار کہیں چار کہلوایں، اس گروہ میں آپ بدنام ہوئیں، دوسرے کو بدنام کیا، کسی نے یہ فکر کی اور ایسی باتیں کیں سہ خواہ مخواہ اور دو میں جھگڑا ہوا۔ غرض گروہ اول خوش خلقوں کا کم اور دوسرے گروہ کا زور یہ سما بندھ رہا تھا کہ مینا بھی اپنے بچے کو دایہ کے حوالے کر، واسطے خدمت گزاری اور بات چیت کرنے اور اپنے گھر برادری والیوں کے جمع ہونے کو بڑا اچھا سکھ مان کر اس موقع پر آئی۔

سب طرف سے مبارک باد تھی، نیکوں کی مبارک باد صاف تھی، حاسدوں کی رشک سے بھری ہوئی ٹھنڈی سانس سے مبارک باد ہوتی تھی۔ کیوں کہ مینا کا رشک تھا یہ گھر سے آسودہ تھی اور پرم ایشر نے اس کو لڑکا دیا۔ غرض مینا اپنی اچھی عادت اور محبت کے موافق ہر ایک سے پریت سے بولتی، تواضع کرتی، عاجزی اپنی ظاہر کرتی، ایک ایک کے پاس ہوتی ہوئی سب سے اجازت مانگی، سب نے رخصت کیا کہ تیرا بچہ ابھی چھوٹا ہے اپنے بچے کے پاس آئی۔ پھر ہر ایک نے زچہ خانہ کے دروازے پر جاجا کر لڑکے کو دیکھا اور خوش ہو ہو کر دعائیں دیں کہ ہمیشہ جیتا رہے۔

اری! یہاں میں نے پت سے پوچھا کہ یہ جوں کا توں عورتوں کا حال جو پردے میں تھیں آپ کو کیوں کر معلوم ہے؟

پت کا جواب: (میری عمر اس وقت تھوڑی تھی اس وجہ سے میں بھی وہاں موجود تھا، اپنی ماں کے پاس بیٹھا ہوا یہ سب حال دیکھ رہا تھا اور ہمیشہ میں نتھو سنگھ کے گھر آتا جاتا رہتا تھا، کوئی عورت مجھ سے پردہ بھی نہیں کرتی تھی، اس لیے باہر بھیتر کا حال مجھ کو مفصل معلوم ہے اور اب بھی جو مجھ سے بڑی ہیں وہ پردہ نہیں کرتیں، سدا تم دیکھتی ہو کہ نتھو سنگھ کے گھر آتا جاتا رہتا ہوں۔) اندر مکان عورتوں کی ضیافت ہو رہی تھی، باہر مکان میں برادری کے مرد جمع ہوئے محفل وغیرہ کا سامان ہوا، وقت پر کھانا آیا، ساقی اپنے کام میں مصروف اور اور لوگ آپس میں گفتگو میں مصرف، عورتوں کے جلسے سے اس جلسے یں صرف اس قدر تفاوت تھا کہ وہاں حسد کا بازار زائد گرم تھا اور یہاں کم اور سارا سبب تعلیم کا نہ ہونا تھا۔ مرد اکثر تعلیم یافتہ اور عورتیں کل ناخواندہ تھیں۔

نتھو سنگھ نے سب سے اپنی عاجزی اور انکسار ظاہر کیا اور خوب دل کھول کر تواضع کی۔ سب لوگ واہ واہ کہتے اور لڑکے کے زندہ رہنے کی دعا مانگتے۔ بعد کھانا کھانے کے ہر دو جلسے مرد عورتوں کے ایک دوسرے کے بعد برخاست ہوئے۔ مردوں کی زبان پر تعریف زائد تھی اور عورتوں میں کم۔ ایک تعریف کرتی، دوسری سو نقص نکالتی۔ عرض اس طور پر سب اپنے اپنے گھر کو گئیں، جو نیک تھیں وہ اپنے گھر کو خوشی لے گئیں اور جو حاسد تھیں وہ رنج کا نیوتہ لے گئیں۔ کیا خوب ہوتا کہ اس جلسہ عورتوں میں بھی اکثر پڑھی ہوتیں تو مانند مجلس مردوں کے کوئی کہانی کہتی، جس سے اوروں کو نصیحت ہوتی، کوئی اخلاق کے مضمون سناتی، پاس ولحاظ گفتگو ہوتا، جھگڑے فساد کا نام نہ ہوتا، ایک دوست کے اتفاق کو پسند کرتی، اپنی نیک نامی کا پاس ہوتا، جس کے گھر آئی تھیں اس کی محفل کا خیال ہوتا۔

ایسے موقع پر میم صاحبوں کے جلسے کا خیال آتا ہے کہ کیسی عمدگی اور خوشی سے سب جمع ہوتی ہیں اور پڑھنے لکھنے اور عمدہ کہانیوں کے چرچے کے سوائے اور کچھ چرچا نہیں ہوتی۔ اول تو روز مرہ کا بلا تکلف ملنا جلنا کیسا مفید

ہے اور سبب بڑھتی محبت کا ہے اور جس وقت زائد جمع ہوں تو ان کی محبتوں کی ترقی کا کیا ذکر ہے اور پھر اس وقت کی محبت اور اخلاق تمام عمر کے واسطے بذریعہ چٹھیات انگریزی، جس کے لکھنے کی ہر ایک کو طاقت ہوتی ہے کیسا کام دیتی ہے، ادب اور لحاظ اپنے اور بیگانوں کا کیسا ہوتا ہے، غرض کہ ان کو علم حاصل ہوتا ہے جو کچھ ہو تھوڑا ہی ہے۔ ہندوستان کی عورتوں کو صرف پڑھتے ہوئے مردوں کے دیکھنے سے میم صاحبوں کا حال سمجھ لینا کافی ہے جملہ مطالب مردوں کے کیا لکھے کیا پڑھے کیا تقریریں سمجھتی رہتی ہیں پھر کیوں ان کے خیالات ناقص ہوں عمدگی کی طرف کیوں نہ راجع ہوں؟

رندھیر سنگھ اپنی ماں کا اکلوتا بیٹا تھا اس لئے اس کا لاڈ حد سے زائد ہو گیا، اس کی ماں ایک لمحہ اس کو علیحدہ نہ کرتی تھی، ادھر اس کے ماں باپ کا کارخانہ رفتہ رفتہ بہت بڑھ گیا، مفت خواروں اور کارپردازوں کا غلبہ ہو گیا باز، جُرّہ، کبوتر، لال پالے گئے۔ اگر کہیں رندھیر سنگھ باہر بھی آتا تو اس شغل میں ہالی موالی مصروف کر لیتے۔ بینا گو کیسی ہی نیک نہاد تھی لیکن چونکہ علم سے بے بہرہ تھی، رندھیر سنگھ کی تعلیم کا کچھ خیال نہ ہوا، ہر چند ایک معلم ہمیشہ دروازہ پر نتھو سنگھ کے مقرر رہا، جس سے میں بھی پڑھا ہوں، جہاں اور کارخانہ ریاست تھے معلم بھی تھا لیکن اس معلم کا یہ حال تھا کہ یہ بھی اسی لال کبوتروں کے شغل میں ہمراہ اور کارپردازوں کے مع رندھیر سنگھ رہتا اور گاہ گاہ پڑھا بھی دیتا، لیکن کیا ہوتا ایک گھڑی پڑھا دس گھڑی کھیلا۔

غرض اس طور پر رندھیر سنگھ جوان ہو گیا اور شادی بھی ہو گئی اور علم اچھا نہ آیا۔ جوان ہونے پر کچھ کھیتی سیر وغیرہ کے شغل اور باز جُرّوں میں رہا اور اس کے باپ نتھو سنگھ کو کاروبار نوکری سے فرصت اس کے تحصیل کرانے علم و ہنر کی نہ رہی اور شاید اپنے اکلوتے بیٹے اور مالدار ہونے کا بھی خیال ہو گا لیکن نتھو سنگھ بڑا خوش قسمت اور نیک نصیب، جس کے بیٹے رندھیر سنگھ کے آٹھ بیٹے اور ایک لڑکی ایک بعد دوسرے کے پیدا ہوئی، ان آٹھوں کی تعلیم میں نتھو سنگھ نے بہت کوشش کی اور ہر ایک کی شادی اپنے رتبے کے موافق عزت اور شان سے کی، اب تو ایک بڑا خاندان ہو گیا، مرد عورتیں مل کر بہت ہو گئیں، ایام حیات نتھو سنگھ میں، چار بڑے لڑکے ہوشیار ہو گئے اور انتظام ریاست اور جائیداد کا انہوں نے خوب کیا۔

رندھیر سنگھ کو پہلے ہی سے کچھ سروکار ریاست کے انتظام سے نہ تھا کہ 56 برس کی عمر میں نتھو سنگھ کا دیہانت ہو گیا۔ اور پھر رندھیر سنگھ بھی 61 برس کی عمر میں گزر گیا۔ جائیداد اور وراثت نتھو سنگھ کی بہت تھی اس لیے آٹھوں لڑکے اس کے بہ فارغ البالی اپنی بسر کرتے تھے۔ ایک دوسرے میں اتفاق اور اتحاد و کمال رہا، تحصیل علم کا

شغل رہا، ہوشیار ہو ہو کر اپنے کاروبار کو خوب رونق دی، ایک سردار رہا اور سب اس کے مطیع اور فرماں بردار رہے، ان بھائیوں میں سے دو لاولد رہے اور چھ کے اولاد لڑکے لڑکیاں پیدا ہوئیں، اب تو اس گھر میں عورتیں بھی بہت ہو گئیں یعنی جاہلوں بے علم کا زور روز بہ روز بڑھتا چلا۔

رندھیر سنگھ کی بی بی بھی بہت نیک نہاد تھی اور اس نے اپنی ساس کے برتاؤ اور کاروبار دیکھے تھے اس لیے اس کی عادتیں نہایت عمدہ تھیں، جہاں تک ہو سکتا اپنی بہوؤں کو اچھی عادات سکھلاتی، آپس میں اتفاق کی راہ بتلاتی، نتھو سنگھ کے وقت کے حالات ان کو سناتی، اب تک تو خیریت تھی کہ بہوؤں کو سوائے اپنے کھانے پینے کے کچھ اختیار دیگر کاروبار خانہ داری میں نہ تھا۔ مردوں کا نہایت رعب وخوف تھا، ان کے اتفاق کے آگے عورتوں کی جہالت کے خیالات پیش نہ جاتے تھے، لیکن رندھیر سنگھ کی بی بی اب کہاں تک اپنے کنبے کا کام تنہا کر سکے۔

آخرش اس نے اپنی بڑی بہو کو اپنا مددگار بنایا اور کاروبار خانہ داری میں اس کو تھوڑا تھوڑا دخل ہونے لگا رفتہ رفتہ زائد اختیار ہو گیا۔ چونکہ یہ بڑی بہو تند مزاج تھی اس لیے ساس سے ان بن شروع ہوئی ہر چند بڑا بیٹا، اس کا خاوند بالکل ریاست کا مالک تھا، لیکن ضابط اور انتظام کرنے والا، یہ ہر چند اس کو اغوا کرتی اور خیالات ناقص سُجھاتی مگر وہ نہ مانتا اور اپنے چھوٹے بھائیوں کا بڑا لحاظ کرتا۔ اب دیکھو ایک تند مزاج کی دیکھا دیکھی اور بہوؤں کی عادات بھی ویسی ہی ہوتی گئیں، دن رات رگڑے جھگڑے رہنے لگے۔ رندھیر سنگھ کی بی بی کا ناک میں دم آگیا، بہوؤں کو لڑتے ہوئے دیکھ کر بڑا رنج کرتی اور وہ بہتیرا سمجھاتی لیکن اس انبوہ میں کون اس کی سنتا؟ کبھی دو ایک طرف ہو جاتیں اور باقی ایک طرف، دنوں لڑائی رہتی بے فائدہ اور پوچ باتوں پر، جب پت ان کے گھر میں آتے تو گھر میں سوائے رنج کے کچھ نہ دیکھتے اور جب کوئی اپنی عورت کو سمجھاتا تو دوسری کے ہزار نقص اور عیب اس کے سامنے کہتی، گو وہ خیال نہ کرتا لیکن تم جانو، جو سو کہے گا تو ایک تو اثر کرے گی۔

غرض عرصہ تک یہی حال رہا، عورتوں کی عادات سے وہی عادات لڑکے لڑکیوں کی ہو گئیں۔ ان میں جدا لڑائی اور جھگڑے رہتے جب بہوؤں میں جھگڑا ہوتا تو لڑکیاں بھی اس گروہ میں شامل ہو ہو کر ادھر کی ادھر باتیں ملاتیں اور خوب لڑائیاں کراتیں۔ یہاں تک کہ مردوں کے دلوں میں ایک دوسرے کی عورت کی برائیاں ان کی عورتوں نے خوب ذہن نشین کر دیں۔ نین سنگھ اور گجراج سنگھ دو بھائیوں کے عہد تک تو صرف بنائے خصومت اور عداوت ایک دوسرے کے دل میں جڑ پکڑتی رہی مگر سامان ریاست میں کسی نے کچھ دخل نہ دیا یا بد انتظامی کا قصد نہ کیا۔

محلے کی عورتوں کا عجیب حال تھابسبب حسد اور جہالت کے یہ تو پہلے ہی سے ایسا موقع تک رہی تھیں کہ مینا کے خاندان میں جھگڑا ہو تو تماشا دیکھیں، کبھی کوئی عورت آتی، ایک کے پاس علیحدہ مکان میں بیٹھ کر گوش در گوش باتیں کر کر لڑنے جھگڑنے کی باتیں سکھلا جاتی، اور کی برائی اس کی بھلائی کی، پھر وہاں سے دوسری کے کمرے میں پہنچی، وہاں اسی کی بھلائی دوسری کی برائی کی، جب کبھی کسی تقریب سے عورتیں جمع ہوتیں، تو دو دو تین تین ایک ایک کی طرف دار ہو ہو کر آپس میں خوب لڑائیاں کراتیں اور مزا دیکھتیں، اوروں کی لڑائیاں موقوف تھیں۔ جیسے کہ میں تم سے ایک ضیافت کی تفصیل پہلے کہہ چکا ہوں۔ اب تو مینا کی گھر والیوں کا تماشا تھا ایک دوسری سے ہنستیں اور ان کے جھگڑے کہتیں۔ ہر چند یہ حال عورتوں کا تھا لیکن ان مردوں میں ان کی جہالت پیش نہ گئی تھی لیکن کہاں تک دیکھو خیالات جہالت کے، اب عورتوں نے یہ تدبیر نکالی کہ جس مرد نے یعنی اس کے خاوند نے یا خاوند کے بھائی نے ان کی نہ مانی، اس کو تکالیف دینا شروع کیں، کبھی کھانا بدوقت دیا، کبھی بے وقت ملا، یا ملا تو پھیکا بدمزہ، جب مرد خفا ہوا، دوسری کے خاوند کی شکایت کر دی، کہ اس نے سب کھالیا، یا فلاں چیز نہ لادی، یا کچھ اور کہہ دیا، اس طور سے ہر ایک عورت نے اپنے اپنے پت کے دلوں میں آپس میں بیج عداوت کا بو دیا، رفتہ رفتہ ایک مرد دوسرے کی شکایت زبان پر لانے لگا، جوں اس نے کوئی شکایت غیبت میں دوسرے کی، اپنے گھر میں کی نہیں کہ فوراً اس کی عورت یا اور نے دوسرے کے کان تک پہنچائی نہیں، یہاں تک کہ باہم نوبت تکرار جھگڑے کی مردوں میں پہنچ گئی۔

ہر روز ایک نہ ایک تکرار ہوتی وہی غبارات جو پہلے میں تم سے کہہ چکا، دلوں میں بھرے رہے تھے۔ جب کبھی کسی کو غصہ آتا دوسرے کی عورت کی شکایات طرح طرح کی کرتا جو اس کی عورت نے اس کے کان میں بھر رکھی تھیں۔ اب تو عورتوں کے دلوں کی مرادیں بر آئیں۔ ہر وقت ایسے ہی خیالات جہالت میں رہتیں کہ جس سے مردوں میں لڑائی جھگڑا پیدا ہوتا۔

نین سنگھ بڑا منتظم تھا ہر چند گجراج سنگھ کی طبعیت اس کی بی بی نے بالکل برگشتہ کر دی تھی مگر تاحیات نین سنگھ گجراج سنگھ کا لحاظ کرتا تھا۔ گو اس کی نیت یہ ہی تھی کہ جس قدر آمدنی دیہات کی ہو، سب میں رکھوں جو کچھ ہاتھ لگے کسی کو نہ دوں، اپنے چھوٹوں کو دباتا اقتدار اپنا ظاہر کرتا بلکہ اکثر کہتا کہ میں مالک ہوں تم کون ہو؟ 50 برس کی عمر میں نین سنگھ کا انتقال ہو گیا، گویا کہ اس خاندان کے زوال کا وقت آ گیا۔ گجراج سنگھ گھر کا بڑا رہا چونکہ اس کی نیت اول سے بہت خراب تھی اپنی خواہش کے موافق جو کچھ آمدنی علاقہ زمینداری اور معافی کی ہوئی خرد برد کرنا شروع

کی، جو 50 روپیہ آئے چھوٹوں پر 25 ظاہر کیے اور 25 اپنی بی بی کے حوالہ کئے اس کی عورت نہایت بد مزاج بدنیت تھی۔

لڑکوں کو جو اس کے تھے، خوب سکھلایا یہ لڑکے لڑنے جھگڑنے کے کام میں ان کی ماں نے بہت چست و چالاک کر دیے، ادھر ان کی ماں نے سکھلایا اور باہر باپ نے ان کے امتحان لیے، کہا جاؤ بیٹا ہمارے چھوٹے بھائیوں سے جا بھڑو، وہ بڑے نالائق ہیں ہم سے عداوت رکھتے ہیں، فلانے بھتیجے کو جا مارو، یعنی ان کا علم با عمل تھا۔ غرض ہر روز یہ طریق رہا، روٹی کا بندوبست جو ہمیشہ سے ایک جائی تھا بالکل بگڑ گیا، کبھی رسوئی میں دال ندارد، کبھی آٹا کم ہے، چار نے کھائی چار بھوکے رہ گئے، چار کی نوبت بھی نہ پہنچی۔ غرض دو سال کے عرصے میں سارا انتظام درہم برہم ہو گیا، اب باہر بھی وہی حال ہو گیا جو بھیتر کا تم سے کہہ چکا ہوں۔ کوئی مرد اس بھائی کو بہکا تا کوئی دوسرے کو، اَور بھائی اور گھر کے سوائے گجراج سنگھ کے ہمیشہ عادی تھے اتفاق سے رہنے، بڑوں کا ادب ماننے کے، گو گجراج سنگھ کیسی ہی زیادتی کرتا مگر یہ خاموش رہتے، ان کی خاموشی کے باعث گجراج سنگھ اور اس کے بیٹوں اور بی بی کے خیالاتِ جہالت روز بہ روز ترقی پکڑتے گئے۔

انہوں نے یہ جان لیا کہ جو ہم کریں گے سو ہو جائے گا، روٹی سب کی علیحدہ ہو گئی، ایک چولھے کے 20 چولھے ہو گئے، اپنی اپنی سب کو پڑ گئی، بھیتر اس کی عورت نے باہر اس کے خاوند اور بیٹوں نے اَور کنبے کو ناک چنے چبوائے، جب اور بھائیوں نے موروثی دیہات پر اپنا تصرف شروع کیا تو گجراج سنگھ کی بی بی نے ایک نیا جھگڑا اور اٹھایا اور وہ یہ کہ پہلے جب موضع دھن پور کے بسوات خریدے گئے تھے، تب میرا زیور جو ماں باپ کے گھر سے مجھ کو ملا تھا، فروخت ہوا تھا اس لیے اس کا مالک میرا اپت ہے۔ گجراج سنگھ تو اس کے کہنے میں تھا ہی اس دعوے پر جھگڑا اٹھا کر نوبت کچہری دربار میں پہنچائی، وہ وہ باتیں ہوئیں جو کبھی اس گھر میں نہیں ہوئی تھیں، جیسا اتفاق میں یہ خاندان مشہور تھا ویسا ہی نفاق میں شہرہ ہوا۔

دیکھو چندراوتی! اول خصومت مردوں میں کرانا عورتوں کا کام اور پھر عدالت اور کچہری دربار میں پہنچانا بھی انہیں کا کام تھا۔ عورتوں کو کاروبار خانہ داری میں مردوں سے زیادہ دخل ہوتا ہے اس کا انتظام عورتوں کی عادات اور تربیت پر موقوف ہے۔

چندراوتی: میرا جی یہ قصہ سن کر بہت خوش ہوا۔ اوروں کے حالات دیکھنے اور سننے سے یہ بڑا خوف ہے کہ آگے کو ہماری تمہاری بھی بہوئیں آئیں گی شاید ایسا ہی حال ہمارے تمہارے گھر کا ہو، وہ کون سی تدبیریں ہیں جن سے یہ صورت پیدا نہ ہو؟

لیلاوتی: کچھ مشکل نہیں ہے سارا معاملہ سمجھ کا ہے تل کی او جھل پہاڑ ہے جو جو صورتیں، ساس بہوؤں میں جھگڑے کی ہوتیں ہیں وہ میں تجھ کو بتلاتی ہوں۔ اول تو یہ کہ ان پڑھ ہوتی ہیں اگر پڑھی لکھی ہوں تو کبھی خیالات ناقص ان کے دل میں نہ آئیں۔

دوسرے یہ کہ ساس، بہو کو اول دن سے ایسا ناچیز اور کم رتبہ سمجھتی ہے کہ شاید باندی کو تو کوئی بات کہتے ہوئے رکے بھی لیکن بہو کو للکارنے میں مطلق نہیں جھجکتی۔ ہاں یہ بات تو ٹھیک ہے کہ ساس بہ نظر اس کے سکھلانے کے کہتی سنتی ہے لیکن اس طریقۂ سختی سے، جیسا کہ رواج ہے اس کا پھل الٹا ملتا ہے، ایسی ہی سختی کی عادت اس بہو کی ہوتی جاتی ہے، رفتہ رفتہ جب وہ اپنے معمولی زمانہ ءلحاظ سے نمٹ جاتی ہے، اسی سختی سے ساس کے ساتھ وہ بھی پیش آتی ہے اور بڑھ کر یہ بات ہے کہ بہو کے ساتھ سختی سے پیش آنے اور حقیر سمجھنے میں ساس سے نند اور بڑھ کر ہوتی ہے۔ غرض کہ ماں بیٹیاں مل کر بہو کے ساتھ اس طور پر پیش آتی ہیں کہ خواہ مخواہ صورت بغض کی پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ نہیں سمجھتیں کہ یہی بہو چند روز میں گھر کی مالک ہو گی، نند اپنے گھر کو سدھارے گی اور ساس دست نگر بہو اور اس کے خاوند کی ہو گی، اگر نرمی سے بہو کی تربیت کریں تو ایسی صورت پیدا نہ ہو۔

تیسری صورت یہ ہے کہ کوئی قاعدہ نسبت آمدنی بیٹے کے نہیں مقرر ہے۔ ماں کو اپنے بیٹے سے اس قدر دعویٰ رہتا ہے کہ وہ ہمیشہ یہ چاہتی ہے کہ سوائے میرے، بیٹا اپنی آمدنی کا ایک روپیہ بھی بہو کو نہ دے، بہو کا جو دعویٰ اپنے پت سے ہوتا ہے وہ تو سب ہی جانتے ہیں۔ اس وجہ سے جب بیٹے نے ماں کو کل آمدنی دی تو بہو نے گھورا اور جو اس نے بہو کو کچھ دیا، تو بہو اس وقت ساس نند کے نزدیک قریب قریب دشمن کے نظر آتی ہے، ماں بیٹیاں مل کر بہو کی جان پر بنا دیتی ہیں، یہ بیچاری لحاظ سے کچھ نہیں کہتی لیکن طبیعت میں دم بہ دم دشمنی جڑ پکڑتی جاتی ہے، پھر بہو موقع پا کر اپنے خاوند کو قابو میں کر کے ساس کی ایسی خبر لیتی ہے کہ پھر اس کی قدر باندی بندور کی سی رہ جاتی ہے، بجز کارِ خدمت کرنے کے روپیہ پیسے سے بیٹے کے کچھ تعلق نہیں رہتا۔ برائے نام گھر کی بڑی کہلاتی ہے اور جب فرصت میں بیٹھیں سوائے لڑائی جھگڑے کے اور کچھ نہیں سوجھتی۔

اگر اول سے موافق بیٹے کی آمدنی کے، راضی رضا سے بہو کا بھی کوئی حصہ خاص علیحدہ دیا جائے تو یہ حالت نہ ہو، ساس بہوؤں میں اور کوئی انسیت جگری نہیں ہوتی، کہاں کی ساس ہوتی ہے کہاں کی بہو، ان میں عداوت ہوتے دیر نہیں لگتی، جب تک کہ آپس میں ہر روز محبت نہ بڑھائیں، ایک دوسرے سے اخلاق سے پیش نہ آئیں کیوں کر

طبیعتیں مل سکتی ہیں، ایسا ہی بہوؤں کا آپس کا حال ہے لڑائی کی عادتیں پڑتی جاتی ہیں خیالات ناقص سوجھتے رہتے ہیں پھر ان میں ٹھنتی ہے۔

چندراوتی: ہاں بھینا سچ ہے۔

تمام ہوا حصہ اوّل

لیلاوتی نے جو اپنے گھر کا انتظام کیا اور جو جو دقتیں اس کو پیش آئیں اس کا بیان دوسرے حصہ میں اس کتاب کے کیا جائے گا۔

فرہنگ

ابھیاس۔ مشق، ریاضت

اپرم پار۔ لامحدود، لامتناہی

آواور۔ آو بھگت، تواضع، خاطر داری

بارتا۔ بوجھ، وزن

بسوات۔ زرعی زمین، فصل

بندھن وار۔ لڑکے کی پیدائش کے موقع پر زچہ خانے کے دروازے پر لٹکائی گئی رنگ برنگی ریشم اور مقیش کی لڑیاں۔

بندور۔ لونڈی، کنیز، باندی

بہل رتھ۔ بیل گاڑی، گھوڑا گاڑی

بہناپلی۔ بہناپا، بہن کا رشتہ استوار کرنا

بھیتر۔ باطن، اندر، درون خانہ

بواہی۔ بیاہی

پایان۔ تمام و کمال، ابتدا و انتہا

پت۔ شوہر، خاوند، پتی

ٹٹول۔ ٹوہ جستجو، تلاش

ٹہلنی۔ خادمہ، خدمت گزار

ٹیوہ۔ جنم پتری، زائچہ ملانا

جرّہ۔ شکرا، باز کی مادہ

چین چان۔ امن و آشتی

دیہانت۔ انتقال کرنا، وفات پانا

ڈنڈوتیں۔ عاجزی سے جھکنا، سربسجود ہونا

سنجوگ۔ میل ملاپ، بندھن

شکتی مان۔ زور آور

کرتا کی گتی۔ مالک کے کھیل، مراد قسمت کا لکھا

کے برس۔ کتنے سال

گٹھ کٹ۔ جیب تراش، ٹھگ

گن ماننا۔ شکر گزار، احسان مند ہونا

لچھمین پراپت۔ قسمت کا لکھا، حاصل مقصود

لیلا۔ کھیل، تماشا

مورکھ پن۔ بے عقلی، احمق پن

نارائن۔ ایشور، پرمیشر، خدا

نیوتہ۔ بلاوا، دعوت نامہ

حوالہ جات:

1۔ پنڈت بشن داس، ہندو تہذیب، (لاہور: نول کشور گیس پریس، 1909)، 6-5۔

2۔ ایضاً، ص8۔

3۔ منشی تھورام نند، مہاتما راجہ رام موہن رائے کی سوانح عمری (لاہور: مطبع خادم التعلیم، 1893)، ص3

4۔ منشی سعید احمد مارہروی، عہد مغلیہ کے ہندو امرائے سلطنت (لاہور: تخلیقات، 2010)، 31۔

5۔ پروفیسر سعید احمد رفیق، مسلمانوں کا نظام تعلیم، بار سوم (کراچی: ایجوکیشنل پرنٹنگ پریس 1982)، ص196۔

6۔ منشی تھورام نند، مہاتما راجہ رام موہن رائے کی سوانح عمری، ص124۔

7. James P Alter, "American Presbyterian in North India: Missionary Motives and Social Attitudes under British Colonialism, "*Journal of Presbyterian History* 53, (Winter 1975): 296.

8. Saikia, Munin. "HISTORICAL WRITINGS ON NORTH-EAST INDIA AND THE AMERICAN BAPTIST MISSIONARIES." *Proceedings of the Indian History Congress* 72 (2011): 909. http://www.jstor.org/stable/44146781.

9۔ ناصر عباس نیرّ، مابعد نو آبادیات اردو کے تناظر میں، بار دوم (کراچی: اوکسفرڈ یونیورسٹی پریس، 2013)، ص42۔

10۔ ڈاکٹر نور الحسن نقوی، راجا رام موہن رائے، ہندوستانی ادب کے معمار (دہلی: ساہتیہ اکادمی، 1984)، 18۔

11. Syed nusrullah and JP Naik p124

12. Hayden J. A. Bellenoit. "Missionary Education, Religion and Knowledge in India, c. 1880-1915." *Modern Asian Studies* 41, no. 2 (2007): 389. http://www.jstor.org/stable/4132356.

13۔ محمد افضل الدین اقبال ڈاکٹر، ایسٹ انڈیا کمپنی کے علمی ادارے (حیدر آباد: کراؤن پرینٹر 2003)، ص29۔

14۔ چودھری محمد نعیم، "نذیر احمد کا انعامی ادب"، مشمولہ تحفتہ السرور، مرتبہ شمس الرحمن فاروقی (نئی دہلی: مکتبہ جامعہ لمیٹیڈ 2012ء)، ص3۔

15۔ گنگا دھر، قصہ لیلاوتی اور چندراوتی (الہ آباد: گورنمنٹ پریس، 1868)